

PDFBOOKSFREE.PK



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk



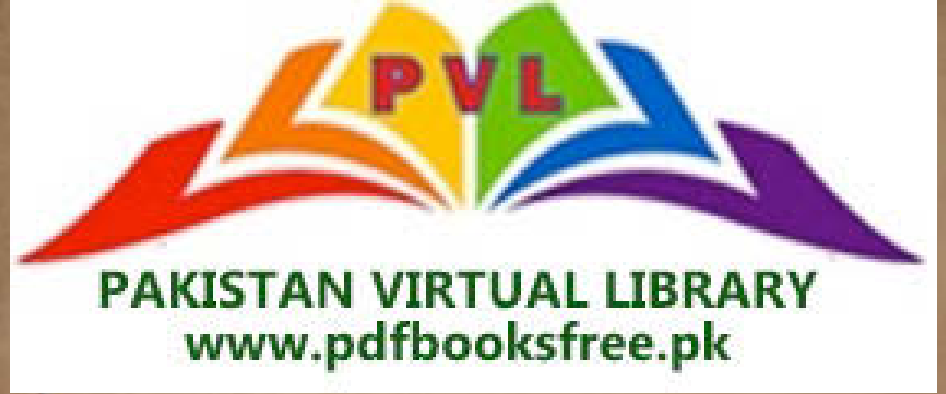
عتبہ ناگ ماریا اور کٹی خلا میں

آسیبی چرخ

اے حمید

شہباز لاہوری اینڈ بکسٹور

قیمت : ۷/۵۰



پیارے دوستو! عزیز نگ ماریا اور کیٹی جیو سا نگ کے طویل واپسی کے سفر کی دلچسپ داستان کی ایک سو پینتیسویں قسط آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو رہا ہوں مجھ سے اکثر دوست سوال کرتے ہیں کہ یہ داستان کچی ہے کیا؟ میں چلے بھی جواب دے چکا ہوں اور اب بھی یہی کیوں لگا کر اسے ایک دلچسپ داستان سمجھ کر پڑھیں جس میں آپ کے لئے دلچسپ اور حیران کر دینے والے واقعات ہی ہیں۔ ماڈرن سائنسی معلومات بھی ہیں قدیم تاریخ کے صحیح واقعات بھی درج ہیں اور آپ کو ساتھ ہی ساتھ زندگی میں آگے چل کر کام کرنے والی اچھی اچھی باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ آپ کو اندر کیا چاہیے؟ اسے ماڈرن زمانے کی الف لیلا سمجھ کر پڑھیں جو آپ کی معلومات میں اضافہ بھی کرتی ہے اور آپ کے تخیل کی صلاحیتوں کو اجاگر بھی کرتی ہے۔ خاص نمبر پسند کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ آپ دوستوں نے خاص نمبر کو جس محبت اور پیار سے پسند کیا ہے اس کے لئے میں شکر گزار بھی ہوں اور میری حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔

۴۵۴-۷ راہ چمن - سمن آباد لاہور

آپ کا
اے حمید

تمام حقوق بحق پبلشرز محفوظ
۱۹۸۶
ناشر : نیا مکتبہ اقدار، ۱۲ بی ٹی ٹاؤن، لاہور
طابع : قاضی محمد رفیع، آبشار کلاں، لاہور

دُرگامندر کا پتھر

گول مٹول ہندو کی لاش بے حس و حرکت پڑی تھی۔

تھیوسانگ اور نیلی لڑکی اسے جھک کر دیکھ رہے تھے۔ نیلی لڑکی نے تھیوسانگ سے کہا: "مجھے حیرانی ہے کہ ہمارے آدمی یہاں آئے تھے تو یہ لاش یہاں کیوں چھوڑ گئے؟" تھیوسانگ بولا: "ہو سکتا ہے وہ ابھی اس کو ٹھہری میں نہ آئے ہوں۔" اتنے میں لاش نے آنکھیں کھول دیں اور تھیوسانگ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "وہ آئے تھے مگر میں نے اپنی لاش انہیں نے جانے نہیں دی۔"

نیلی لڑکی چیخ مار کر کوٹھڑی سے باہر اندھیری رات میں بھاگ گئی۔ تھیوسانگ نے زور سے ہاتھ جھٹک دیا۔

لاش اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی:

"اب تم کہاں جا رہے ہو؟"

تھیوسانگ نے جلدی سے اپنی انگلی لاش کی گردن سے لگا دی۔ لاش نے ہنس کر کہا:

ترتیب

- دُرگامندر کا پتھر
- سانپ کی ڈبیا
- جہاز کیسا تھا؟
- پراسرار چاپ
- آسیبی چیخ

”یہ جادو مجھ پر نہیں چلے گا تھیوسانگ! تم اپنی خیر مناد“
 تھیوسانگ بھی باہر دوڑ پڑا۔ باہر ہلکی بارش ہو رہی تھی۔
 تھیوسانگ نے دیکھا کہ نیلی لڑکی مردے جلانے والے چبوترے پر
 سہی بیٹھی تھی۔ تھیوسانگ نے اسے آواز دی:
 ”شمشان کے دروازے کی طرف بھاگو“
 نیلی لڑکی اور تھیوسانگ شمشان کے پرانے دروازے کی طرف
 دوڑے جو مہنی وہ دروازے میں پہنچے ٹھکنی لاش وہاں پیلے
 موجود تھی۔

تم کہاں جا سکتے ہو۔ اب مجھ سے بچ کر۔

اور اس کے ساتھ ہی لاش نے دونوں کو گردنوں سے پکڑا
 اٹھا لیا۔ لاش کے ہاتھوں میں آتے ہی تھیوسانگ اور نیلی لڑکی
 دونوں نیم بے ہوش سے ہو گئے۔ ٹھکنے بندر کی لاش ان کو لے
 کر آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔ بہت جلد وہ سری لنکا کے
 جزیرے سے باہر نکل آئی اور سمندر کے اوپر پرواز کرنا شروع
 کر دیا۔ یہ سمندر جزیرہ سری لنکا کے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔
 اس کی ایک طرف بحیرہ ہند اور قلعہ بنگال کا سمندر تھا اور
 دوسری طرف بحیرہ عرب اور نیچے بحیرہ کابل کا وسیع سمندر تھا
 لاش نے تھیوسانگ اور نیلی لڑکی کو کافی بلندی پر سے سمندر
 میں پھینک دیا۔ تھیوسانگ اور نیلی لڑکی بادلوں میں سے

کر گذرتے نیچے ہی نیچے گرٹے چلے گئے۔ تیز ہوا کے تھپڑے
 ان کے جسم کو ادھر ادھر اچھال رہے تھے۔ آخر وہ سمندر میں
 گر گئے۔ تھیوسانگ نے نیلی لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ سمندر میں
 گرتے ہی انہیں پوری طرح سے ہوش آ گیا تھا۔ تھیوسانگ
 نے نیلی لڑکی کو پانی کے اندر ہی اندر کاندھوں سے اٹھا کر
 اوپر کی طرف لے جانا شروع کر دیا۔ اس خیال سے کہ اگر نیلی
 لڑکی پانی میں زیادہ دیر رہی تو ٹھپ کر مر جائے گی۔ تھیوسانگ
 نیلی لڑکی کو سمندر کی سطح پر لے آیا۔ اس نے چاروں طرف نگاہ
 ڈوڑائی۔ کہیں کوئی خشکی کا کنارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہر طرف
 سمندر ہی سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ نیلی کو تھیوسانگ نے ایک
 بازو کی مدد سے اچھی طرح سنبھال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے
 وہ تیر رہا تھا۔ یونہی اس نے ایک طرف تیرنا شروع کر دیا
 تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے آگے کوئی جزیرہ ہے
 بھی کہ نہیں۔

کافی دیر تک سمندر میں تیرتے رہنے کے بعد جب رات کی
 تاریکی دور ہوئی اور دن کی روشنی پھیل گئی تو تھیوسانگ نے دُور
 ایک جگہ سمندر میں چٹانیں اُبھری ہوئی دیکھیں۔ تھیوسانگ نے
 ان کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ قریب پہنچ کر اس نے دیکھا
 کہ یہ سیاہ چٹانیں ایک گول دائرے کی شکل میں سمندر میں
 سے باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان سمندر ایک چھوٹی

سی جھیل کی طرح گھبرا ہوا تھا۔ تھیوسانگ نے بڑی شکل سے نیلی لڑکی کو سمندر میں سے نکال کر ایک چٹان کے قریب پتھروں پر ڈال دیا۔ وہ نڈھال تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پوری طرح جوش میں آئی تو چاروں طرف دیکھ کر بولی :

”ہم کہاں آ گئے ہیں تھیوسانگ؟“

تھیوسانگ نے کہا :

”ہم سمندری چٹانوں پر ہیں۔ کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ یہ چٹانیں کس علاقے میں ہیں؟“

نیلی لڑکی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دھوپ نکل آئی تھی۔ نیلی لڑکی نے چٹان کے اوپر جا کر جنوب کی طرف نگاہ دوڑائی اور بولی :

”میں یہ سمندر پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔“

تھیوسانگ مایوس ہو کر نیلی لڑکی کے ساتھ چٹان سے نیچے اتر آیا۔ ان چٹانوں پر انہیں دو دن گزر گئے۔ اس دوران وہ سمندر سے مچھلیاں پکڑ کر کچی ہی کھاتے رہے۔ ایک روز بادشہ ہو گئی اور انہوں نے بادشہ کا پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی۔ ایک جگہ پتھر جوڑ کر انہوں نے بادشہ کا پانی جمع بھی کر لیا۔ تیسرے روز تھیوسانگ نے دور سے ایک بہت بڑی بادشاہی کشتی کو سمندر میں تیرتے دیکھا۔

وہ دیکھو۔ کشتی۔ ہمیں ان لوگوں کو اپنی طرف بلانا

چاہیے۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ نے چٹان کے اوپر چڑھ کر زور زور سے بازو ہلاتے اور آوازیں دینی شروع کر دیں۔ یہ بڑی کشتی ماہی گیروں کی تھی۔ انہوں نے ایک آدمی کو چٹان پر ہاتھ پکڑ دیکھا تو کشتی لے کر وہاں آ گئے۔ ماہی گیروں نے تھیوسانگ اور نیلی لڑکی کو کشتی میں بٹھا لیا اور انہیں بتایا کہ وہ لکڑ دیپ کے ماہی گیر ہیں اور دو روز سے سمندر میں مچھلیاں رہے ہیں۔ تھیوسانگ نے انہیں کہا کہ ہم بھی لکڑ دیپ کے ہی رہنے والے ہیں۔ کشتی میں سمندر کی سیر کو نکلے تھے، طوفان میں گھر گئے اور کشتی الٹ گئی۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر ان چٹانوں تک پہنچے ہیں۔ تھیوسانگ واپس سری لنکا نہیں جانا چاہتا تھا۔ لکڑ دیپ وہاں سے ایک دن کے سمندری سفر پر تھا اور یہ وہی جزیرہ تھا جس پر چٹانی رانی اور گندھرب راجہ حکومت کرتا تھا۔ چٹانی رانی وہی عورت تھی جس نے اپنے اندر ماریا کی روح کو قید کر رکھا تھا۔ تھیوسانگ کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔

ماہی گیروں کی کشتی میں سوار ہو کر تھیوسانگ اور نیلی لڑکی شام کے وقت لکڑ دیپ کے جزیرے میں پہنچ گئے۔ لکڑ دیپ کے جزیرے آج بھی ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر

وجود ہیں۔ ان دونوں پر جو میرے اتنے آباد نہیں تھے۔ صرف ایک جزیرے پر لوگوں کی آبادی تھی جس پر راجہ گندھرب اور اس کی رانی چغتائی حکومت کرتی تھی۔ تھیوسانگ اور نیلی لڑکی نے رات لکش دیپ کی بندرگاہ کے قریب ایک جھونپڑی میں گذاری۔ دوسرے دن نیلی لڑکی نے تھیوسانگ سے کہا:

تھیو بھائی! یہاں سے ملک ہندوستان کو جہاز جاتے ہیں۔ ہندوستان میں ہمارے قبیلے کے لوگ غاروں کے اندر رہتے ہیں۔ میں وہاں جانا چاہتی ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ چلو!

تھیوسانگ نے کہا:

میں تمہارے ساتھ ہندوستان جا کر کیا کروں گا؟ جانے کیوں ہندوستان جانے کو میرا دل نہیں چاہتا اگر تم چاہتی ہو تو جا سکتی ہو!

تھیوسانگ نے نیلی لڑکی کو ایک جہاز پر سوار کروا دیا جو ملک ہندوستان کی طرف جا رہا تھا۔ اب تھیوسانگ اکیلارہ گیا۔ اکیلارہ کر اس نے عنبرناگ اور ماریا کیٹی کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا کہ وہ کہاں ہوں گے۔ رات بھر وہ جھونپڑی میں بیٹھا اپنے دوستوں کے بارے میں غور کرتا رہا۔ دوسرے دن وہ لکش دیپ کے بازاروں میں گھوم پھر کر عنبرناگ آیا

اور کیٹی کی جستجو کرنے لگا۔

دوسری طرف لکش دیپ جزیرے کے شاہی محل میں راجہ گندھرب یعنی وہی جوگی گندھرب جس نے ماریا کو اپنی رانی کے ڈھانچے میں داخل کر کے اسے پھر سے زندہ کر دیا تھا تخت پر بیٹھا حکومت کرتا تھا۔ اس کی رانی چغتائی اس کے ساتھ تخت پر بیٹھی تھی۔ دونوں کی یہی خواہش تھی کہ وہ لکش دیپ کے راجہ رانی بن جائیں اور اس میں وہ کامیاب ہو گئے تھے۔ جوگی گندھرب نے آتے ہی لکش دیپ کے اصلی راجہ اور رانی کو سازش کر کے قتل کروا دیا۔ وہ راجہ کے بیٹے راجکمار کو بھی مروانا چاہتا تھا مگر راج کمار بھیس بدل کر لکش دیپ کے گھنے جنگلوں کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک وفادار غلام بھی تھا۔ راج کمار کی عمر بیس برس کے قریب تھی۔ راج کمار اپنے وفادار غلام کے ساتھ لکش دیپ کے گھنے جنگل میں ایک جگہ چٹانی غار میں چھپا بیٹھا تھا۔ جوگی گندھرب بڑے ٹٹھاٹھ سے تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے بھاری لاش دے کر وزیروں اور سپہ سالاروں کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔ ان لوگوں کو جوگی گندھرب نے بہت ہی دولت اور شاہی عمل بنوا کر دے دیئے۔ یہ سپہ سالار اور وزیر بھی راجہ گندھرب کے گن گانے لگے۔ مگر رعایا کو اپنے اصلی راجہ اور رانی کے

وہی ماریا سوچتی تھی جو چٹانی رانی چاہتی تھی ماریا وہی اپنی زبان میں اور رانی کی آواز میں کہہ دیتی تھی۔ لیکن ماریا کی یادیں زندہ تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ چٹانی رانی نہیں بلکہ ماریا ہے اور تھیوساگ سے بچھڑ گئی ہے اور یہ ساری کارستانی اس منکار جوگی کی ہے جو اب راجہ گندھرب بن کر تخت پر بیٹھا راج کرتا ہے۔ لیکن ماریا اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتی تھی۔

اس دوران تھیوساگ ماریا ناگ عنبر اور کیٹی کو تلاش کرتے کرتے ناامید ہو گیا تھا۔ اس نے لکش دیپ سے واپس ملک سری لنکا جانے کا فیصلہ کر لیا کہ شاید وہیں جا کر عنبر ناگ ماریا کیٹی کا کوئی سراغ مل سکے۔ اس نے بندرگاہ پر جا کر پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ ایک جہتے کے بعد ایک بادبانی جہاز سری لنکا کی طرف جا رہی تھی۔ تھیوساگ نے بندرگاہ سے تھوڑی ہی دور درگا دیوی کے چھوٹے سے مندر کے ساتھ ہی اپنی ایک جھونپڑی بنالی تھی اور اسی جھونپڑی میں رہنے لگا تھا۔

جہاز کے چلنے میں ابھی دو دن باقی تھے کہ ایک روز تھیوساگ نے دیکھا کہ درگا دیوی کے مندر میں بڑی صفائی ہو رہی ہے اور پھولوں کے دروازے بنائے جا رہے تھے تھیوساگ کو معلوم ہوا کہ آج لکش دیپ کی رانی چٹانی درگا دیوی کے

قتل کے جانے اور راج کمار کے جان بچا کر بھاگ جانے کا بڑا دمک تھا۔ لیکن فتح راجہ گندھرب کے ساتھ تھی اس لئے رعایا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ راجہ گندھرب یعنی جوگی نے اپنے منترؤں کے جادو کا بھی دوزیروں پر رعب جما رکھا تھا وہ انہیں دیوار میں پانی کے کٹورے میں منتر پڑھ کر آگ لگا کر دکھاتا اور آگ کے انگارے آتھ میں رکھ دیتا دیوار میں بھی راجہ گندھرب کو کوئی اوتار سمجھنے لگے تھے اور کسی کی جراث نہیں تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھائے انہیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ انہیں راجہ گندھرب کی طرف سے عیش کرنے کے لیے سب کچھ مل رہا تھا۔

دوسری طرف راج کمار بے چارہ بڑی خستہ حالت میں اپنے وفادار غلام کے ساتھ لکش دیپ کے اندر گئے جنگل میں ایک چٹانی غار میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اکیلا اپنے باپ دادا کا تخت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہاں اس کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنے وفادار غلام کے ساتھ کسی اچھے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

رانی چٹانی کے جسم میں ماریا کی روح ضرور حلول کر گئی تھی مگر ماریا اس عورت کے جسم داخل ہونے کے بعد اپنے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ رانی چٹانی جو کچھ سوچتی

تھی۔ تھیوساگ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ جس رانی کو وہ دے رہا ہے اس کے جسم کے اندر ماریا بیٹھی ہے اور تھیوساگ سے بات کرنے کو بے تاب ہے۔ رانی کی سواری درگا دیوی کے مندر کے سامنے آ کر رک گئی۔ رانی اپنی کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ مندر میں داخل ہو گئی۔ رانی کے اندر داخل ہونے کے بعد ماریا سوچنے لگی کہ تھیوساگ کہیں یہاں سے چلا جائے۔ اگر وہ چلا گیا تو تھیوساگ سے پھر ملنا دشوار ہو جائے گا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ ماریا اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

جب رانی چٹانی درگا دیوی کی پوجا کرنے کے بعد مندر سے باہر نکلی تو ماریا نے رانی کی آنکھوں سے دیکھا کہ مندر سے دھامٹ کر ایک جھونپڑا بنا ہے اور تھیوساگ اس جھونپڑے کے باہر کڑی کے تخت پر چپ چاپ بیٹھا گری سوتا میں گم ہے۔

ماریا خوب جانتی تھی کہ اس وقت تھیوساگ بھی اسی کے باسے میں سوچ رہا ہو گا۔ کاش! وہ اپنی مرضی سے اس کے پاس جا کر اسے بتا سکتی کہ میں ماریا ہوں۔ رانی چٹانی نہیں ہوں۔ مگر وہ اپنی مرضی سے اپنے ارادے سے رانی کے پاؤں کو تھیوساگ کی طرف نہیں اٹھا سکتی تھی۔

درشن کرنے آ رہی ہے۔ تھیوساگ کو کہیں جانا تو تھا نہیں سوچا چلو شاہی جیلوس کی روٹ ہی دیکھنی چاہیے۔ تھیوساگ درگا دیوی کے مندر کے دروازے کے پاس ہی ایک طرف درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد رانی چٹانی کی شاہی سواری آ گئی۔ آگے آگے سپاہیوں کا دستہ تھا۔ رانی چٹانی ایک پانگی میں بیٹھی تھی جسے بارہ غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔ رانی کی پانگی تھیوساگ کے سامنے سے گزری تو ماریا کی اس پر نظر پڑی اور وہ بے چین ہو گئی۔ مگر وہ رانی چٹانی کے جسم اور ذہن اور ارادے کی قید میں تھی۔ ماریا نے تھیوساگ کو دیکھ تو لیا تھا۔ مگر وہ اپنی مرضی سے تھیوساگ کو آواز دے کر اپنی طرف نہیں بلا سکتی تھی۔ کیونکہ ماریا کا ارادہ رانی چٹانی کے ارادے کے ماتحت تھا۔ ماریا اکیلی اپنے طوبہ پر کچھ نہیں کر سکتی تھی، لیکن تھیوساگ کو دیکھ کر ماریا کو بے حد تسلی ہوئی اور اس کا حوصلہ بلند ہو گیا کہ تھیوساگ لکٹ دیپ میں موجود ہے۔ ورنہ وہ تو بالکل ہی ناامید ہو چکی تھی۔

تھیوساگ نے رانی چٹانی کو دیکھا کہ شاہی لباس پہنے ہوئی شاہی سے پانگی پر سوار گردن اٹھائے لوگوں کو ٹیک رہی تھی اور ان کے سلام کا ذرا سا سر ہلکا کر جواب دے رہی تھی۔

بچ رہے تھے۔ محل پر خاموشی چھا رہی تھی۔ اس زمانے میں لوگ رات جوتے ہی سو جاتے تھے اور شاہی محلوں میں بھی رات دس بجے کے بعد سناٹا چھا جاتا تھا۔ رانی چنتانی شاہی خواب گاہ میں آکر اپنے شاندار پلنگ پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ پہلو بدلتی رہی۔ ماریا اس کے جسم کے اندر بیٹھی بے تابی سے رانی کے سو جانے کا انتظار کر رہی تھی۔

جب رانی کا جسم اور ذہن گہری نیند سو گیا تو ماریا نے اپنے ارادے کو پیر کیا اور رانی چنتانی کے سوئے ہوئے جسم کو شاہی پلنگ سے اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی۔ رانی چنتانی اس وقت گہری نیند میں تھی۔ اس کا جسم سو رہا تھا اور ماریا کے ارادے سے سوتے میں چل رہا تھا۔ ماریا رانی کے جسم کو لے کر شاہی خواب گاہ کے خفیہ دروازے میں سے باہر نکل آئی۔ اطمینان سے اس نے ایک گھوڑا باہر نکالا۔ اس پر سوار ہوئی اور گھوڑے کا رخ درگا دیوی کے مندر کی طرف کر دیا۔ گھوڑا محل کی دیوار کے خفیہ دروازے میں سے نکلنے لگا تو دو پہرے دار تلواریں کھینچ کر اس کی طرف بڑھے۔ ماریا نے چہرے پر سے کپڑا ہٹا کر پہرے داروں کی طرف دیکھا۔ پہرے داروں کے سامنے رانی چنتانی گھوڑے پر سوار تھی۔ رانی کو دیکھ کر پہرے داروں نے ایک دم سر جھکا دیئے اور ماریا

ماریا کی بہت افسوسک بھری تھی۔ بے بسی تھی۔ ماریا کو دنا آئی۔

رانی چنتانی واپس محل میں آئی تو ماریا اپنے ذہن میں سوچنے لگی کہ وہ رانی چنتانی کے ارادے کی طاقت سے بول کر آزاد ہو کر تھیوسانگ سے ملاقات کر سکتی ہے؟ ماریا ایک ذہین اور تجربہ کار لڑکی تھی۔ اس نے ہزاروں برس کے رفر میں ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائی تھیں کہ ان کی وجہ سے ریا کے تجربوں اور عقل میں اضافہ ہوا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ رانی چنتانی پر وہ صرف اسی صورت میں اپنے ارادے سے قبضہ حاصل کر سکتی ہے جب رانی کا اپنا ارادہ سو گیا ہو اور یہ اسی شکل میں ہو سکتا تھا کہ جب رانی چنتانی سو رہی ہو۔ وہ اس وقت رانی چنتانی کو سوتے میں چلا کر درگا دیوی کے مندر کی طرف لے جا کر تھیوسانگ سے ملاقات کر سکتی ہے یہ بالکل ایسی بات ہو گی، جیسے بعض لوگ نیند میں بستر سے اٹھ کر چلتا شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں ان کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور ان کا لاشعور انہیں چلا رہا ہوتا ہے۔

ماریا بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ آخر رانی چنتانی اپنی شاہی خواب گاہ کی طرف بڑھی۔ اس وقت رات کے دس

۱۸
رانی پختانی کے جسم کو بے سر و سگایا۔ ویسی کے مندر کی طرف روانہ ہوئی۔

رات کے وقت درگا دیوتی کے مندر پر سناٹا چھایا تھا۔ ماریا مندر کے پیچھے کی جانب آ گئی۔ پھر گھوڑے سے اتری اور رانی پختانی کا سویا ہوا جسم ساتھ لیے تھیوسانگ کی جھونپڑی کی طرف بڑھی۔ تھیوسانگ جھونپڑی کے اندر تخت پر لیٹا تھا اس وقت پختانی رانی کا جسم ذہن آواز اور سننے کی طاقت سب کچھ سو رہا تھا۔ صرف ماریا بیدار تھی۔ ماریا جھونپڑے میں داخل ہوئی تو تھیوسانگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اندھیرے میں اسے رانی دکھائی نہ دی۔ اس نے جلدی سے پوچھا:

کون ہو تم؟

ماریا نے کہا:

تھیوسانگ! میں ماریا ہوں۔

تھیوسانگ تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رانی پختانی کی شکل تھے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ یہ آواز ماریا کی نہیں تھی اور اس کے سامنے چہرہ بھی ماریا کا نہیں تھا۔ اس کے رو برو تو رانی پختانی کھڑی تھی۔ تھیوسانگ حیران ہوا کہ اگر یہ ماریا نہیں ہے تو پھر رانی پختانی کو کیسے معلوم ہوا کہ میں تھیوسانگ ہوں؟ ایک عجیب معر بن گیا تھا۔ ماریا نے

ایک بار پھر رانی پختانی کی آواز میں آہستہ سے کہا:

تھیوسانگ! میری شکل رانی پختانی کے جسم کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ میں رانی کے جسم میں طلسم کے ذریعے قید کر دی گئی ہوں۔ یہ ساری کارستانی راجہ گندھرب کی ہے جو اسل میں جادوگر جوگی ہے۔ اس نے رانی کے ڈھانچے کی کھوپڑی میں مجھے پکڑ کر ڈال دیا اور رانی پختانی اپنے اسلی رنگ روپ میں پھر سے زندہ ہو گئی اور یہ دونوں اب لکشمی دیپ پر حکومت کر رہے ہیں۔ میں اپنی مرضی سے رانی کے جسم کے اندر کوئی حرکت نہیں کر سکتی۔ صرف رانی کے سو جانے پر میرا ارادہ بیدار ہو کر رانی کے جسم پر کچھ دیر کے لیے قبضہ کر لیتا ہے۔ میں نے دن میں ممتیں دیکھا تھا جب رانی پختانی یہاں درگا دیوتی کے درشن کرنے آئی تھی۔

تھیوسانگ نے کہا:

ماریا! تم کب تک اس مغوس رانی کے جسم میں قید رہو گی؟ ممتیں ہمارے ساتھ آگے چلنا ہے ابھی ہمیں عبرتناک کمیٹی کو بھی ڈھونڈنا ہے۔

ماریا نے کہا:

میں کیا کروں تھیوسانگ؟ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں

ماریا نے کہا:

میں یہاں دیکھ کر میرا حوصلہ بلند ہو گیا ہے میں کسی طریقے سے اس راز کو معلوم کرنے کی کوشش کروں گی جس کی مدد سے میں رانی کے جسم سے باہر نکل سکوں۔ اچھا اب میں جاتی ہوں۔ کیونکہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ رانی چنتانی نیند سے بیدار ہو رہی ہے۔

یہ کہہ کر ماریا رانی چنتانی کی شکل میں جھوپڑی سے باہر نکل گئی۔ تھیوسانگ بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ مندر کے قریب ہی رانی کا گھوڑا موجود تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور گھوڑا شاہی محل کی طرف دوڑنے لگا۔ تھیوسانگ اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک کہ ماریا اندھیرے میں گم نہ ہو گئی۔ پھر وہ جھوپڑی میں آیا اور بڑا حیران ہوا کہ یہ ماریا کس مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ کیا وہ کبھی رانی چنتانی کے جسم سے باہر آ سکے گی یا نہیں؟ تھیوسانگ کو یہ کام بڑا مشکل لگتا تھا۔ ماریا کو رانی کے جسم میں گنڈھرب نے طلسم کے ذریعے داخل کر رکھا تھا۔ اس طلسم کا توڑ کوئی دوسرا طلسم ہی ہو سکتا تھا۔ مگر یہ طلسم کہاں سے حاصل کیا جائے؟ اس سوال کا جواب تھیوسانگ کے پاس نہیں تھا۔ تھیوسانگ اسی پریشانی میں جاگتا رہا۔ رات گزر گئی اور

آ رہا۔ اگر اس وقت بھی رانی چنتانی کی نیند میں ہے تو وہ مہینے اسی جگہ مار ڈالے گی کیونکہ اس کے پاس طلسم ہے اور وہ سمجھ جائے گی کہ میں ہی اسے یہاں تک لائی ہوں وہ مجھے تو کچھ نہیں کہہ سکتی کیوں کہ میں اس کی روح ہوں لیکن وہ کسی ایسے شخص کو کبھی زندہ نہیں رہنے دے گی جو مجھے اس سے جدا کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

تھیوسانگ نے جھوپڑی کے باہر جا کر دیکھا کہ کہیں کوئی جاسوس تو ماریا کے پیچھے پیچھے وہاں تک نہیں آیا۔ باہر تاریک اور سنسان تھی۔ کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تھیوسانگ نے واپس آکر ماریا سے کہا:

ماریا! تم جیسے بھی ہو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ تم رانی کے جسم سے کیسے باہر نکل سکتی ہو۔ میں اسی جھوپڑی میں رہوں گا۔

ماریا نے ناگ اور خنبر کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ نے جو سمجھ اور جتنا کچھ اسے معلوم تھا اس نے ماریا بتا دیا اور کہا:

اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مہینے اس منحوس عورت کے جسم سے نکالا جائے۔

اپنی کوڑھی بند کر کے سو گیا۔ اب ہر طرف سناٹا چھا گیا۔
رات بھری تھی۔ درختوں کے اوپر آسمان پر ستارے چمک
رہے تھے۔

موسم خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ تھیوسانگ
جھونپڑی کے باہر تخت پر لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی
تھیں اور وہ درختوں کی ٹہنیوں کی طرف تک رہا تھا جن
میں سے ستارے چمکتے نظر آ رہے تھے۔ رات کے اس
گہرے سناٹے میں تھیوسانگ کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی
دبے پاؤں خشک پتوں پر چلا آ رہا ہے۔ تھیوسانگ سمجھا
کہ شاید کوئی درندہ ہے جو جنگل میں سے ادھر شکار کی تلاش
میں نکل آیا ہے۔ اس نے تخت پر لیٹے لیٹے چہرہ ایک
طرف گھما کر دیکھا۔ اسے درختوں کے نیچے اندھیرے میں ایک
انسانی سایہ مندر کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ تھیوسانگ
اندھیرے میں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ جب یہ سایہ قریب آیا
تو تھیوسانگ نے دیکھا کہ وہ ایک ٹھگنے کا آدمی تھا جس
نے اپنا چہرہ کالی چادر میں چھپا رکھا تھا۔ وہ ادھر ادھر
دیکھتا مندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھیوسانگ سمجھا کہ یہ کوئی
چور ہے جو درگا دیوی کی مورتی چرانے آ رہا ہے۔ اس قسم کی
پوریال قدیم ہندوستان میں ہوتی رہتی تھیں۔ کیوں کہ مورتیاں عام

۲۲
تھیوسانگ جھونپڑے سے نکل کر جنگل کی طرف چلا۔ وہاں
ایک پختے پر بنایا۔ تنڈے سے جنگلی پھل توڑ کر کھائے۔
اگرچہ اسے اس کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ اب چوں کہ
تھیوسانگ کو علم ہو گیا تھا کہ ماریا اس شہر میں موجود ہے
اس لئے وہ بے چین ہو رہا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے
ماریا کو اس مشکل سے نکالا جائے۔ لیکن تھیوسانگ کی سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کہ ماریا کو رانی کے جسم سے کیسے نکالا جائے
اس کا منتر صرف رانی کے مکار راجہ جوگی گندھرب ہی
کو معلوم تھا اور اس کا سراغ ماریا ہی کسی طریقے سے
لگا سکتی تھی۔ تھیوسانگ کچھ دیر جھونپڑی میں بیٹھا رہا۔ پھر
وہاں سے نکل کر راجہ کے محل کی طرف نکل گیا۔

شاہی محل شہر کے کنارے پر ایک اونچی جگہ پر واقع تھا
تھیوسانگ دور سے محل کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بندر گاہ کی
باب آ گیا۔ یونہی بے چینی سے پھرتے پھرتے رات ہو گئی
وہ مندر میں چراغ روشن تھے اور لوگ پوجا کرنے آ رہے
تھے۔ مندر میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ جوں جوں رات گزرتی
گئی۔ مندر کی گھنٹیاں خاموش ہو گئیں۔ مندر میں سونا
دبے پتے کاٹے پکاری کے اور کوئی بھی وہاں
رہا۔ پکاری بھی چاندی کے سکتے تھیلی میں سنبھال کر

طور پر سوتے چاندی کی بوتلی تھیں۔ تھیوسانگ تخت پر بے حس
لیتا ایک طرف گردن کئے اس پر اسرار شخص کو غور سے
دیکھ رہا تھا۔

پراسرار آدمی اندھیرے میں دبے پاؤں چلتا درگاہ مندر کے
پتھر کے دیبے کے پاس آکر جلدی سے بیٹھ گیا۔ اب تھیوسانگ
کو ایسی آواز سنائی دی جیسے زمین کے پتھر کو اکھاڑا جا رہا
ہے۔ تھیوسانگ حیران ہوا کہ یہ پراسرار آدمی آدمی رات
کو محض مندر کی سیڑھی کا پتھر اکھاڑنے ہی آیا ہے۔ یہ آدمی
زمین کے پاس بیٹھا لوہے کی سلاخ سے ایک چھوٹے پتھر کو
باہر نکال رہا تھا۔ پھر اس نے پتھر کو ایک تھیلے میں ڈالا
اور اسی طرح دبے پاؤں جنگل کی طرف واپس ہٹا۔ تھیوسانگ
کو ویسے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور رات بھی نہیں گذر
رہی تھی۔ سوچا کیوں نہ اس آدمی کا پیچھا کر کے پتہ چلایا جائے
کہ یہ مندر کی سیڑھی کا پتھر اکھاڑ کر کہاں لے جا رہا ہے؟
ہو سکتا ہے اس سے کوئی نیا راز معلوم ہو جائے اور یہ راز
ماریا کے متعے کو حل کرنے میں مدد دے۔

جب سیاہ چادر پوش پراسرار آدمی جنگل میں درختوں کے
پیچھے ڈھونڈ چلا گیا تو تھیوسانگ اپنی جگہ سے اٹھا اور تعاقب
م شروع کر دیا۔ یہ جنگل بھی جزیرے کے دوسرے جنگلوں کی طرح

بہت گنا تھا۔ ایسے ایسے درخت تھے کہ جن کے تنوں پر
نکیلے کانٹے اُگے تھے۔ جنگل کا راستہ جھاڑیوں اور گھاس سے
بھرا ہوا تھا۔ پراسرار آدمی ایک خاص راستے سے جا رہا تھا
جہاں جنگلی جھاڑیاں زیادہ نہیں تھیں۔ تھیوسانگ نے اس
آدمی کو اپنی نگاہ میں رکھا ہوا تھا۔ تھیوسانگ اسے اپنی غیر
معمولی تیز نظر کی وجہ سے دیکھ رہا تھا۔

کئی کھڈناملے اور ٹیلے اور درختوں کے ذخیروں پر پار کرنے
کے بعد پراسرار آدمی ایک بہت بڑی چٹان کے پیچھے جا کر
غائب ہو گیا۔ تھیوسانگ تیزی سے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ
وہاں سوائے اونچی اونچی گھاس اور گھپ اندھیرے کے اور
کچھ نہیں تھا۔ تھیوسانگ دوسری طرف چلنے ہی لگا تھا کہ اچانک
اسے دو آدمیوں کے بات کرنے کی آواز سنائی دی۔ تھیوسانگ
آواز کے سراخ پر آگے بڑھا۔ اس نے غور سے دیکھا تو
سامنے والی جھاڑیوں کے پیچھے چٹان میں ایک غار تھا انسانی
آواز اسی غار کے اندر سے آ رہی تھیں۔ تھیوسانگ کان
لگا کر سننے لگا۔ ایک بھاری آواز والا آدمی کہہ رہا تھا۔

”راج کمار! میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب
میں نے درگاہ دیوی کے مندر کے زمینے کا پتھر
اکھاڑا تھا تو وہاں کوئی انسان موجود نہیں تھا۔“

راج کمار کی فوجوں نے درختوں کی تھکی سی آواز آئی:
 "تم میرے وفادار غلام ہو۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ
 ہے۔ لیکن میں اپنی قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کسی
 نے ہمارے اس غار کو دیکھ لیا تو راجہ کے سپاہی
 یہاں پہنچ جائیں گے اور پھر ہماری گردنیں پھیلوں
 میں ڈال کر راجہ کے دربار میں پیش کر دی جائیں گی۔"
 اب تھیوسانگ سب کچھ سمجھ گیا۔ یہ وہی راج کمار تھا
 جس کے بارے میں مایا نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس
 تخت کا وارث راج کمار ہے جو اپنی جان بچا کر جنگل کے
 غار میں جا چھپا ہے اور جس کے ماں باپ کو راجہ گنڈھ
 نے قتل کر ڈالا ہے اور اب اس کی تلاش میں ہے تھیوسانگ
 کو اچانک چھینک آگئی۔ ابھی وہ پھینک سے فارغ ہی
 ہوا تھا کہ ایک دم سے وفادار غلام پھلانگ لگا کر اس
 کے اوپر آن گرا۔ تھیوسانگ اس کے ساتھ ہی نیچے گر پڑا
 غلام نے خنجر نکال کر تھیوسانگ کو مارا مگر تھیوسانگ نے
 اسے خنجر سمیت دھکائی پرے گرا دیا اور بولا:
 "میں تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔ مجھے راج کمار
 کے پاس لے چلو۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"
 وفادار غلام نے محسوس کیا کہ اسے جس زور سے دھکایا

گیا ہے یہ کسی عام آدمی کا کام نہیں تھا۔ اس شخص نے
 خنجر معمولی طاقت ہے۔ اتنے میں راج کمار بھی تلوار: تھک
 لیے غار سے باہر نکل آیا۔ اس نے چلا کر کہا:
 "پنڈاری! اسے قتل کیوں نہیں کرتے؟"

تھیوسانگ نے فوراً اپنے بازو اٹھا دیئے اور راج کمار
 سے کہا کہ میں دوست ہوں۔ تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ راج کمار
 نے اچھل کر تھیوسانگ پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ تھیوسانگ نے
 اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا کیوں کہ اپنی انگلی کٹ جانے کی صورت
 میں وہ مر سکتا تھا۔ ویسے تلوار اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔
 تلوار تھیوسانگ کے بازو پر لگی اور اس کا آدھا بازو کٹ
 گیا۔ تھیوسانگ نے فوراً وہاں اپنا ہاتھ رکھ دیا اور
 راج کمار سے کہا:

"میں اگر چاہوں تو ابھی تم دونوں کو چوہے سے بھی
 چھوٹا بنا کر گھاٹی میں پھینک دوں مگر میں تمہاری
 مدد کرنے آیا ہوں۔"

راج کمار اور اس کے غلام پنڈاری نے دیکھا کہ تھیوسانگ
 کے بازو پر جہاں گہرا زخم لگا تھا وہاں سے خون باہر نہیں
 بہ رہا تھا۔ اس کے بعد جب تھیوسانگ نے بازو پر سے
 اپنا ہاتھ ہٹایا تو بازو کا زخم جل گیا تھا۔ راج کمار اور اس کا

غلام دل میں ڈر گئے کہ یہ کوئی بڑا جادوگر ہے۔ راج کمار نے
تواریخ نام میں ڈال لی اور تھیوسانگ کے قریب آکر کہا،
”بھائی مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا
تھا۔ تم کون ہو اور میری کیا مدد کر سکتے ہو؟“
تھیوسانگ بولا: غار میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔
غلام بھی ان کے ساتھ ہی غار میں آ گیا۔ یہاں راج کمار نے
تھیوسانگ سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی اور کہا کہ
وہ دوسرے شہر کے ایک سوداگر کا اکلوتا بیٹا ہے اس کا بچپا
اسے ہلاک کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنی جان بچا کر یہاں آکر چھپا
ہے۔ تھیوسانگ مسکرائے لگا:
”تم راج کمار ہو۔ میں جانتا ہوں۔“



سانپ کی ڈبیا

راج کمار اور پنڈاری غلام حیران رہ گئے۔
وہ ایک دوسرے کا منہ سمجھنے لگے۔
تھیوسانگ نے کہا،

”میں جانتا ہوں راج کمار کہ تمہارے ماں باپ کو اس
جوگی گنہ گہرب نے مار ڈالا ہے اور اب وہ تمہاری
جان لینا چاہتا ہے اور تم اس سے بھاگ کر یہاں
آ گئے ہو۔ اور یہ تمہارا غلام درگا دیوی کے مندر سے
ایک پتھر اکھاڑ کر لایا ہے۔“

راج کمار نے تھیوسانگ کا ہاتھ تھام لیا اور بولا:
”اب جب کہ تمہیں میرے بارے میں سب کچھ پتہ
چل گیا ہے تو میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔
لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارے
اندر اتنی طاقت کس منتر، کس جادو سے آگئی ہے
کہ تم پر میری تلوار نے جو زخم لگایا وہاں سے خون

بھی نہیں نکلا اور آدھا سن ہوا بازو اپنے آپ
بڑا گیا۔

تھیوسانگ کہنے لگا۔
میل نام تھیوسانگ ہے۔ میں جادوگر نہیں ہوں۔
ایک جوگی کی میں نے بڑی خدمت کی تھی۔ اس
نے خوش ہو کر مجھ پر ایک منتر پڑھ کر پھونکا
تھا جس کا یہ اثر ہوا ہے کہ اب مجھ پر تیر تلوار
کا اثر نہیں ہوتا۔

پنڈاری غلام نے بڑے ادب سے کہا:
تھیوسانگ! آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ اگر
پا میں تو ہمیں چھوٹے چھوٹے چوہے بنا کر گھاٹی
میں پھینک سکتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ میں
یہ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کا یہ جادو ہلکے
بڑا کام آ سکتا ہے۔
تھیوسانگ نے کہا:

یہ درست نہیں ہے۔ میں نے یونہی غم لوگوں کو
ڈرانے کے لئے ایسا کر دیا تھا۔ میں کسی کو چوہا نہیں
تاکتا۔

پھر تھیوسانگ نے راج کمار سے سوال کیا:

راج کمار! کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم نے اپنے غلام
پنڈاری کی مدد سے درگا دیوی کے مندر کی سیڑھیوں
کا پتھر کیوں منگوا یا ہے؟

راج کمار نے ایک گمراہ سانس لیا اور بولا:

”تھیوسانگ! اب جب کہ تمہیں ہماری ایک ایک بات
کا پتہ چل گیا ہے تو میں تم سے کچھ نہیں چھپانا
چاہتا تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میرے ساتھ ظلم
ہوا ہے اس جوگی گندھرب نے طلسمی منتروں کے
زور سے میرے ماما پتا جی کو قتل کر کے تخت پر
قبضہ کر لیا ہے جو میرا حق ہے۔ میں کسی کو ماننا
نہیں چاہتا لیکن اپنا حق واپس لینا چاہتا ہوں۔“
تھیوسانگ نے پوچھا:

”درگا مندر کا پتھر اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد
کرے گا؟“

راج کمار نے کہا:

”مجھے میری ایک کنیز نے بتایا تھا کہ اگر درگا مندر
کی سیڑھی کا پتھر لا کر اس پر سام دید کا منتر
دس بار پڑھ کر پھونکا جائے تو پتھر کو جو کوئے وہ
تمہارا حکم مانے گا۔“

میں اپنا حق ظالم جوگی راجہ سے واپس لے سکوں
اور اس سے اپنے ماں باپ کے قتل کا بدلہ بھی
لے سکوں۔

غلام پنڈاری نے تھیوسانگ سے مخاطب ہو کر کہا:
جناب آپ اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟
راجہ کمار نے بھی کہا:

تھیوسانگ بھائی! تم ہماری مدد کرنے کو کہہ رہے تھے
کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟
تھیوسانگ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا:

”مجھ پر میرے جوگی بابا نے جو منتر پڑھ کر پھونک رکھا
ہے اس کا تم لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔
میں تمہاری اتنی مدد کر سکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ
مل کر شاہی محل میں گھس کر مکارہ جوگی راجہ کو گلا
گھونٹ کر مار ڈالوں۔“

راجہ کمار نے کہا:

”اے ہم میں سے کوئی نہیں مار سکتا۔ کیوں کہ اس
کے پاس ایسا جادو ہے کہ جو کوئی اس پر حملہ کرے
گا خود ہلاک ہو جائے گا۔“

پنڈاری غلام نے کہا:

”تو تم کیا کہو گے پتھر سے؟“ تھیوسانگ نے پوچھا۔

راجہ کمار بولا: ”تم خود ابھی سن لو گئے۔
کہہ کر راجہ کمار نے پنڈاری کو اشارہ کیا۔ اس نے درگا
مندر کی میڑھی کا پتھر لا کر سامنے رکھ دیا۔ راجہ کمار نے
آنکھیں بند کر کے سام وید کے منتر کو پڑھنا شروع کر دیا۔
پورے دس مرتبہ منتر پڑھ کر اس نے پتھر پر پھونک ماری
اور پھر اسے حکم دیا۔“

”اے پتھر میرے حکم سے اٹھ۔“ ہوا میں اڑتا ہوا
شاہی محل میں جا اور ظالم راجہ کو ہلاک کر دے۔
راجہ کمار نے بار بار یہ جملہ دہرایا مگر پتھر اپنی جگہ سے
ذرا بھی نہ ہلا۔ جب راجہ کمار بولتے بولتے پتھر کو حکم دیتے
دیتے تھک گیا تو تھیوسانگ سے کہا:

”تم کتنے نادان ہو۔ کبھی پتھر بھی ہوا میں اڑتے
میں؟ انسان خود ہی ظالم کا مقابلہ کر کے اسے
خسٹ دیتا ہے۔ تمہیں پتھر کی نہیں بلکہ عقل
اور سوچ سمجھ کی ضرورت ہے۔“

راجہ کمار نے ناامید ہو کر کہا:

”میں تو سوچ سوچ کر تھک آ گیا ہوں میری
سمجھ میں ایسی کوئی ترکیب نہیں آتی جس سے

راج کمار جی! کیوں نہ ہم رانی چنتانی کو کسی طرح سے اغوا کر کے اس جنگل میں لے آئیں۔ پھر ہم جوگی راجہ سے اپنی بات منوا سکیں گے۔ کیوں کہ میں نے اتنا معلوم کر لیا ہے کہ جوگی راجہ رانی چنتانی کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتا۔ نہ جانے کیا بات ہے کہ وہ رانی چنتانی کی بے حد حفاظت کرتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے

کہ رانی چنتانی میں ہی جوگی راجہ کی جان ہے۔ تھیوسانگ نے راج کمار کو بالکل نہیں بتایا تھا کہ رانی چنتانی کے جسم میں ماریا کی روح داخل ہے۔ اسے غلام پنڈاری کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے سوچا کہ اگر رانی چنتانی کو اغوا کر کے جنگل میں لے آیا جائے تو اس طرح ایک تیر سے دو نشانے لگائے جاسکیں گے۔ ایک تو رانی چنتانی کے پاس آ جائے گی اور دوسرے جوگی راجہ کا بھی کام تمام کیا جاسکے گا اور راج کمار کو بھی تخت واپس مل جائے گا۔ اس نے راج کمار سے کہا:

پنڈاری کی تجویز بہت اچھی ہے راج کمار۔ ہمیں آج ہی رانی چنتانی کو اغوا کر لینا چاہیے۔

راج کمار مایوسی کے انداز میں کہنے لگا:

شاہی محل میں گھس کر رانی کو اغوا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مکار جوگی راجہ اس کی زبردست حفاظت کرتا ہو گا۔

اب تھیوسانگ کو یاد آ گیا کہ رانی چنتانی جب درگا کے مندر آئی تھی تو اس کے ساتھ فوج کا پورا دستہ تھا۔ ویسے ماریا اس وقت بھی رانی کے جسم کو تھیوسانگ کے پاس لا سکتی تھی جب رانی سو رہی ہو۔ لیکن اب پتہ نہیں تھا کہ وہ ایسا کب کرتی ہے اور جیسا کہ ماریا نے کہا تھا اس میں خطرہ بھی ہے کہ اگر رانی کی آنکھ کھل جائے تو وہ اپنے سامنے جو بھی ہو اسے موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی تھی۔

تھیوسانگ نے کہا:

”میں رانی کو اغوا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم اسی جگہ بیٹھے رہو۔ میں یہ سارا کام خود ہی کر لوں گا۔“

راج کمار اور پنڈاری نے تعجب سے تھیوسانگ کی طرف دیکھا:

”میرے دوست! تم اکیلے یہ کام کیسے کر سکو گے؟“

تھیوسانگ نے کہا:

میں کوشش کروں گا۔
پنڈاری بولا: میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ میں آپ
کی حفاظت کروں گا۔ آپ ہمارے دوست ہیں۔
تھیوسانگ مسکرایا: مہتارا شکریہ پنڈاری! لیکن تمہارے
جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

جب دن نکل آیا تو تھیوسانگ نے راج کمار سے کہا:
”تم اسی غار میں میرا انتظار کرنا۔ میں آج شاہی
محل میں کسی بھیس میں جاؤں گا اور رانی چنتانی
کو اٹھا کر یہاں لے آؤں گا۔“

راج کمار اور پنڈاری کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ تھیوسانگ
یہ کام کر سکے گا۔ صرف ایک بات کی انہیں تسلی تھی
شاہی محل کے سپاہی تھیوسانگ کو کوئی نقصان نہ
پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ تھیوسانگ منصوبے کے مطابق
سے رخصت ہو گیا۔ اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا تھا
رانی چنتانی کو اغوا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس
جگہ اسے مکار جوگی راج گندھرب کو کسی طریقے سے اغوا
کی کوشش کرنی ہوگی۔ اگر اس کے پاس کوئی طلسم یا
ہوگا تو اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ تھیوسانگ کو
خیال تھا کہ ہو سکتا ہے اس طریقے سے رانی چنتانی

جسم سے ماریا کو بھی آزاد کرایا جائے۔
تھیوسانگ جنگل میں واپس چلتا اپنے درگا مندر والے
جھوپڑے میں آ گیا۔ وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔
کیوں کہ جوگی راج کو رات ہی کے وقت محل میں داخل
ہو کر اغوا کیا جا سکتا تھا۔ صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ
عین وقت پر جوگی راج گندھرب کوئی ایسا منتر نہ
پھونک دے جس سے تھیوسانگ کو نقصان پہنچے۔ تھیوسانگ
نے بے حد ہوشیاری سے کام لینے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔
جب رات ہو گئی تو تھیوسانگ چپکے سے درگا مندر والے
جھوپڑے سے نکل کر شاہی محل کی طرف چلنے لگا۔ سڑکوں
پر اندھیرا تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ کچھ
دکانوں پر روشنی ہو رہی تھی۔ تھیوسانگ آگے نکلتا چلا گیا۔
جب وہ شاہی محل کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ محل کی
ہر منزل میں روشنی ہو رہی تھی۔ محل کے بڑے گیٹ پر
پہرہ لگا تھا۔ کسی کو قریب آنے کی اجازت نہیں تھی۔
رات ہوتے ہی محل کا بڑا دروازہ بند کر کے پہرہ لگا دیا
جاتا تھا۔ تھیوسانگ بڑے دروازے کی طرف جانے کی بجائے
محل کے پیچھے والی دیوار کے پاس آ گیا۔ یہاں آسم کا ایک
گہنا درخت تھا جس کی شاخیں محل کے اندر شاہی بات

میں جھکی ہوئی تھیں۔ تھیوسانگ اندھیرے میں درخت پر چڑھ گیا اور ٹہینوں کو دودھ سے جھکوا دیا اور شاہی باغ میں کود پڑا۔ ٹہینوں کو بتا دیکھ کر پہرے دار اور سپاہی اس طرف دوڑے۔ تھیوسانگ اس صورت حال کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ اس نے اپنے جسم کو اپنی ہی خاص انگلی لگائی اور اس کا ساتھ یعنی قد اچھی کے برابر ہو گیا۔ وہ گھاس میں چھپ کر سپاہیوں کو مشال کی روشنی میں اپنی طرف آتے دیکھا۔

پہرے داروں نے مشال کی روشنی میں درخت کے اوپر اور نیچے ادھر ادھر دیکھا۔ انہیں کوئی انسان نظر نہ آیا تو واپس چلے گئے۔ وہ یہی سمجھے کہ کسی بتی نے اوپر سے چھلانگ لگائی ہو گی۔ تھیوسانگ گھاس میں دبکا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب پہرے دار سپاہی چلے گئے تو وہ گھاس کے اندر ہی اندر محل کی طرف بڑھا۔ اس کی رفتار اگرچہ تیز تھی مگر چونکہ اس کا قد انسان کے انگوٹھے کے برابر تھا۔ اس لیے فاصلہ بہت کم طے ہو رہا تھا۔ تھیوسانگ کو اس حالت میں شاہی باغ کو طے کرتے تقریباً پندرہ بیس منٹ لگ گئے جب کہ اگر وہ اپنے عام قد میں ہوتا تو یہ فاصلہ بیس منٹ میں طے کر لیتا۔ بہر حال وہ محل کے کونے والے برآمدے میں پہنچ گیا۔

اسے معلوم تھا کہ جوگی راجہ اس وقت اپنی خواب گاہ میں ہو گا۔ تھیوسانگ اندازے سے ایک زینہ چڑھ کر محل کی دوسری منزل میں آ گیا۔ یہاں اس نے دو پہرے داروں کو دیکھا جو نیزے ہاتھوں میں لئے راہ داری کے قلعین پر چل پھر کر پہرے دے رہے تھے۔ تھیوسانگ ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا۔ کیوں کہ یہاں فانوس روشن تھا۔ اس نے غور سے دیکھا کہ ایک کمرے کے باہر دو عورتیں کھڑی پہرے دے رہی تھیں۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہی جوگی راجہ گنڈھرب کی خواب گاہ ہے۔ لیکن وہ اگر وہاں تک جاتا ہے تو دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ شاہی خواب گاہ کے اندر کیسے جائے؟

تھیوسانگ کے لیے یہ بڑا مشکل سوال تھا۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک کنیز بکڑی کے دو پھیٹوں والی رنگین چوکی پر ریشمی دوشالے رکھے آتی نظر آئی۔ تھیوسانگ نے اندازہ لگایا کہ یہ کنیز ضرور شاہی خواب گاہ میں دوشالے لے کر جا رہی ہے۔ جب وہ قریب سے گزری تو تھیوسانگ نے چوکی پر رکھے دو شالوں میں چھلانگ لگا دی اور ان میں گھس کر چھپ گیا۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ کنیز کو ذرا بھی حس نہ ہوا۔ وہ شاہی خواب گاہ کے قریب گئی تو پہرے دار عورتوں نے دروازہ کھول دیا۔ کنیز رنگین چوکی لیے اندر داخل

۳۰
 ہو مٹی - اندر ایک چھوٹی سی راہ داری تھی جس کی دونوں
 جانب ریشمی پردے لگے ہوئے تھے۔ کنیز نے یہاں کھڑے
 ہو کر بڑے ادب سے کہا :
 - صدارت ادھیراج ! کنیز دوشالے لے کر حاضر ہے۔
 اندر سے جوگی راجہ کی آواز آئی :

”اندر آ جاؤ۔“

کنیز خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ خواب گاہ میں کافی
 شمع جل رہی تھی۔ جس کی روشنی اتنی دھیمی تھی کہ تھیوسانگ
 کو پہلے تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کیوں کہ وہ راہ داری میں
 سے آیا تھا جہاں فانوس کی تیز روشنی تھی۔ پھر اس نے
 دیکھا کہ اطلس و کم خواب کے پردوں والی شاندار خواب گاہ
 میں ایک بہت بڑا چاندی کا پتنگ بچھا تھا جس پر ایک
 طرف رانی چنتانی (یعنی ماریا) سو رہی تھی اور ایک طرف
 وہی جوگی راجہ پتنگ کی پشت سے لگے ریشمی ٹیکوں پر
 سر رکھے آرام سے لیٹا تھا۔ کنیز نے دوشالے بڑی احتیاط
 سے کونے والے تخت پر رکھ دیئے اور ادب سے کورٹش
 سجالاتی واپس چلی گئی۔

تھیوسانگ ابھی تک دوشالے میں گھسایا اپنا ننھا سا سر
 ابر شالے خواب گاہ کے پتنگ کو تک رہا تھا۔ جوگی راجہ

ہونے کی عطر دانی میں سے عطر نکال کر اپنی مونچھوں کو لگا رہا
 تھا۔ رانی چنتانی اس کے قریب ہی پتنگ پر ریشمی چادر
 بڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔ جوگی راجہ نے بھی عطر لگانے
 کے بعد اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔
 تھیوسانگ نے اپنے ذہن میں منصوبہ بنانا شروع کر دیا کہ وہ
 آگے راجہ کو یہاں سے کیسے نکال کر لے جائے گا۔ اس کے
 پاس ایک ہی سکیم تھی کہ وہ جوگی راجہ کو انگلی لگا کر اٹکھٹے
 کر دے گا اور پھر کسی نہ کسی طرح وہاں سے اخوا کر کے
 جائے گا۔ لیکن اسے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ کہیں
 راجہ نے کوئی منتر پڑھ کر پھونک دیا تو تھیوسانگ کو
 کئے دینے نہ پڑ جائیں۔ مگر وہ دل میں فیصلہ کر کے آیا
 کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ جوگی راجہ کو اخوا کر کے ضرور ساتھ
 لے جائے گا اور پھر اسے اپنا قیدی بنا کر اس وہ منتر
 روم کرے گا جس کی مدد سے ماریا کو چنتانی رانی کے جسم
 منجات دلائی جا سکتی تھی۔ وہ جوگی راجہ کے گہری نیند
 جاننے کا انتظار کرنے لگا۔ دو ایک بار پہلو بدلنے کے
 جوگی راجہ بچھونے پر ساکت ہو گیا اور پھر خواب گاہ میں
 کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز گونجنے لگی۔ تھیوسانگ فوراً
 کھالے کی مہر میں سے نیچے اتر آیا۔ اس نے اپنے آپ

تھیوسانگ نے سرگوشی میں کہا:

ماریا! مجھے یقین تھا کہ تم ضرور مجھ سے بات کرو گی۔ مجھے بتاؤ میں جوگی راجہ کو کیسے اغوا کروں؟
ماریا بولی: میں جانتی ہوں تم اسی مقصد کے لئے یہاں آئے ہو مگر تھیوسانگ جب تک تم اسی کمرے کے کونے میں میز پر رکھے نیلم کے مرغ کی آنکھ میں جڑا ہوا یا قوت نہیں اتار کر پھینکو گے تم جوگی راجہ کے طلسم سے محفوظ نہیں ہو گے۔
تھیوسانگ نے کہا:

ماریا! میں جوگی راجہ کو اغوا کر کے اسے بے بس کرنے کے بعد وہ منتر معلوم کرنا چاہتا ہوں جس کی مدد سے میں تمہیں رانی چنتانی کے جسم کی قید میں سے نکال سکوں:
ماریا نے کہا:

یہ کام اتنا آسان نہیں ہے تھیوسانگ۔ جوگی بڑا عیار ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے ہو سکتا ہے بے بس ہو جائے لیکن اس کے پاس ضرور کوئی دوسرا بھی طلسم ہو گا۔ تمہیں اس سے ہوشیار رہنا ہو گا۔
تھیوسانگ بولا: جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں تمہیں

کو انگلی سے چھوؤ اور پھر سے بڑے قد میں واپس آ گیا۔
پوسے انسانی جسم میں آتے ہی تھیوسانگ کونے میں پردے کے پیچھے ہو گیا کہ کہیں جوگی راجہ اچانک جاگ کمرے کے دیکھ نہ لے۔

غلاب گاہ میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ تھیوسانگ کو ماریا کا خیال آ گیا جو اس وقت رانی چنتانی کے جسم کے اندر قید اور رانی ہی کے ارادے سے کام کرتی تھی۔ لیکن چونکہ اب رانی سو گئی تھی اور سو جانے کی وجہ سے اس کا ارادہ بھی سو گیا تھا اس لیے تھیوسانگ نے سوچا کہ ماریا اپنی مرضی سے اس سے کوئی بات کر سکتی ہے۔
ماریا نے ابھی تک تھیوسانگ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ تھیوسانگ کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ چنانچہ وہ جوگی کے بستر کی طرف بڑھا تھا کہ اسے چھوٹا کر کے وہاں سے کر لے جائے۔ بونہی وہ جوگی راجہ کے پٹنگ کے پاس اسے ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور وہ پیچھے مہٹ گیا۔
وقت اسے ماریا کی آواز آئی:
تھیوسانگ! آگے مت آنا۔ جوگی راجہ کا طلسم تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔

گرفت سے وہ نکل نہیں سکتا تھا۔

ماریا کی سرگوشی سنا دی :

تھیوسانگ ! میں نے کہا تھا ناں کہ جوگی بڑا عیار ہے۔ اس کے پاس دوسرا جادو بھی ہوگا۔ اسے کسی چیز میں بند کر دو۔

تھیوسانگ نے کہا :

”یہاں مجھے کوئی ایسی شے نظر نہیں آتی ماریا :

ماریا نے کہا :

”پینگ کے پیچھے والی الماری میں ایک چھوٹی گول ڈبی پڑی ہے جس میں موتی ہیں یہ ڈبی خالی کر کے لے لو۔“

تھیوسانگ نے ایسا ہی کیا۔ ڈبی کے موتی باہر نکال کر اس نے جوگی راجہ سانپ کو اس میں بند کر کے ڈھکن بند کر دیا اور بولا :

”ماریا ! تمہیں جوگی راجہ کی قید ہونے سے کوئی اثر محسوس ہوا ہے ؟“

ماریا نے کہا :

”مجھ پر ابھی تک اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ لیکن تم اس کو بڑھال کر کے پوچھو کہ اس کے پاس

اس شیطان کی قید میں نہیں دیکھ سکتا۔
اس کے بعد تھیوسانگ دبے پاؤں کوٹے والی چھوٹی میز کے پاس گیا۔ اس میز پر نیلم کا تراش ہوا ایک خوبصورت مرغ دکھا تھا جس کی آنکھوں میں یا قوت دمک رہا تھا۔ تھیوسانگ نے فوراً اس کی ایک آنکھ میں سے یا قوت کھینچ کر نیچے پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی مرغ غائب ہو گیا۔ یہ طلسمی مرغ تھا۔

ماریا نے سرگوشی میں کہا :

”اب جوگی راجہ کو قابو میں کر دو۔ نہیں تو وہ ابھی جاگ پڑے گا۔“

تھیوسانگ تیزی سے جوگی راجہ کے سر ہانے کی طرف آیا اور اپنی انگلی اس کی گردن کے ساتھ لگا دی۔ جوگی راجہ ایک دم سے اچھلا اور وہ چھوٹا ہونے کی بجائے بالشت بھر کا کالا سیاہ سانپ بن کر پھنکارنے لگا۔ تھیوسانگ نے اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو سانپ نے اسے کاٹ لیا۔ لیکن چونکہ تھیوسانگ پر زہر کا اثر نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اس نے کوئی پروا نہ کی اور سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔ سانپ نے اپنا جسم تھیوسانگ کی کلائی سے پیٹ دیا اور زور لگانے لگا۔ لیکن تھیوسانگ کی منہ

”میں سامری جادوگر کا چیلہ ہوں۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں“

دونوں عورتوں نے جو ایک انگوٹھے جتنے انسان کو اپنے سامنے قالین پر اچھلتے دیکھا تو دہشت کے مارے غش کھا کر دھڑام سے گر پڑیں اور پہرے پر کھڑے سپاہیوں نے عورتوں کو گرتے دیکھا تو ان کی طرف بھاگے۔ تھیوسانگ اتنی دیر میں دیوار کے ساتھ لگ گیا تھا۔ سپاہی دونوں عورتوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے کہ تھیوسانگ چپکے سے فرار ہو کر کونے والے گول زینے میں آ گیا جو نیچے جاتا تھا نیچے شاہی باغ میں گہرا سناٹا چھایا تھا۔ اچانک اوپر سے سپاہی نے نیچے دربان کو آواز دی اور کہا کہ پہرے دار کنیزیں بیہوش ہو گئی ہیں۔ دربان چار سپاہیوں کو لے کر زینے کی طرف دوڑا۔ تھیوسانگ تیزی سے ایک طرف ہٹ کر گھاس میں چھپ گیا۔ جب سپاہی اوپر چلے گئے تو تھیوسانگ نے اپنے جسم کو پھر سے بڑا کیا اور دوڑتا ہوا باغ کی دیوار کے پاس آ کر اتنی زور سے اچھلا کہ دیوار کی منڈھیر پر آ گیا۔ یہاں سے اس نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور سوکھی خندق سے گزر کر اس ویران راستے پر آ گیا جو شہر کے باہر سے ہوتا ہوا جنگل کی طرف جاتا تھا۔ جوگی راجہ سانپ کی

مجھے آزاد کر دینے والا منتر کون سا ہے؟

تھیوسانگ آہستہ سے بولا:
اس دیہی کا اصلی راج کمار گھنے جنگل کی ایک غار میں رہتا ہے۔ میں اس کے پاس جا رہا ہوں ماریا۔ اگر میں منتر معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو تمہیں دیں ملوں گا۔

ماریا کہنے لگی:

مجھے معلوم ہے کہ تم راج کمار کے پاس جنگل کی چٹانی غار میں ہو۔ خدا کرے کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکو اور مجھے اس قید سے بچاؤ۔
تھیوسانگ خاموشی سے خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ ریشی پردوں والی راہ داری میں آ گیا۔ آگے دروازہ بند تھا۔ تھیوسانگ نے اپنے سائز کو چھوٹا کیا اور دروازے کے ایک سوراخ میں سے باہر نکل کر برآمدے میں آ گیا۔ فانوس روشن تھا۔ اس روشنی میں اسے دیکھا جاسکتا تھا۔ دونوں عورتیں شاہی خواب گاہ کے باہر پہرہ دے رہی تھیں۔ تھیوسانگ نے سوچا کہ اس طرح تو یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ ان عورتوں کو کسی طرح سے ڈرانا چاہیے۔ چنانچہ یہ سوچ کر تھیوسانگ ایک دم سے دونوں عورتوں کے سامنے آ گیا اور

شکل میں ڈبی میں بند اس کی جیب میں موجود تھا۔

تھیوسانگ راتوں رات واپس جنگل میں پہنچ گیا۔ راجک اور اس کا غلام پنڈاری جاگ رہے تھے۔ انہوں نے تھیوسانگ کو اکیلے آتے دیکھا تو پوچھا کہ کیا اس نے جوگی راجہ کو اسے نہیں کیا؟ اس کے جواب میں تھیوسانگ نے جیب سے ڈبی نکال کر دکھائی اور کہا:

”میں جوگی راجہ کو بے ہوش کرنے لگا تو وہ جادو کے زور سے سانپ بن گیا۔ میں نے فوراً اسے اس ڈبی میں قید کر لیا۔“

تھیوسانگ نے انہیں ڈبی ذرا سی کھول کر دکھائی۔ اس کے اندر کالا سانپ پھنکار رہا تھا۔ راج کمار اور پنڈاری ہنسنے لگے۔ انہیں یقین نہیں آیا کہ یہ جوگی راجہ ہے۔ پنڈاری بولا: ”تھیوسانگ! اگر تم جوگی راجہ کو اغوا نہیں کر کے سوتے تو مہتیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ خواجواہ اس بے چارے سانپ کو پکڑ کر لے آئے ہو۔“

راجک بولا: ”ہاں تھیوسانگ بھائی! مہتیں یہ کیل سونے کی کیا ضرورت تھی۔“

تھیوسانگ نے کہا:

راج کمار نے میں نے کوئی کھیل کھیلا ہے اور نہ جھوٹ بول رہا ہوں۔ یہ سانپ نہیں بکڑ جوگی راجہ ہے جس نے اپنی دیدہ پلٹ رکھی ہے۔ یہ سب کچھ جوگی راجہ نے جادو کے زور سے کیا ہے۔

راجکمار اور پنڈاری ایک دوسرے کی طرف تکتے تھے۔ جیسے کہ رہے ہوں کہ یہ شخص میں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن تھیوسانگ کو اب انہیں یقین دلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے تو معلوم تھا کہ جوگی راجہ اس کی قید میں ہے۔ اب اسے صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں یہ جوگی راجہ کوئی اور طلسم نہ کر دے۔ اس سے پہلے پہلے وہ جوگی راجہ سے ماریا کو آزاد کرنے والا منتر پوچھ لینا چاہتا تھا چنانچہ تھیوسانگ نے کہا:

”اچھا اگر مہتیں یقین نہیں آتا تو میں مہتیں پھر لوں گا۔“

مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ غار میں سے باہر نکلا گیا۔ وہ سیدھا جنگل میں ایک ایسی جگہ پر آ گیا جہاں چٹان کے نیچے ایک چھوٹا سا پہاڑی ٹالہ بہہ رہا تھا۔ تھیوسانگ یہاں ٹالے کے کنارے بیٹھ گیا اس نے سانپ کی ڈبی باہر نکالی۔ اس نے آہستہ سے گولا اور سانپ کو گردن سے پکڑا اسے پانی میں دو تین غوٹے دیئے۔ سانپ

جہاز کیسا تھا

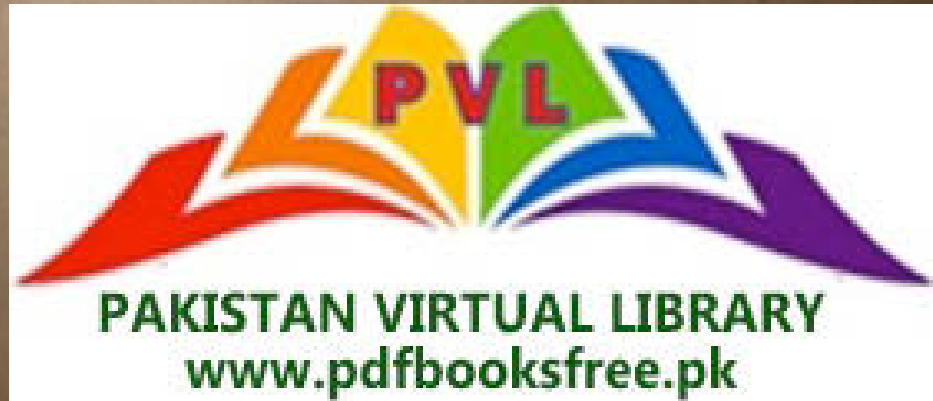
جوگی سانپ نے غضب ناک ہو کر کہا:
تم جو کوئی بھی ہو میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مجھے
جسادی سے آزاد کر دو نہیں تو میں تمہیں زندہ
نہیں چھوڑوں گا!
تھیوسانگ نے کہا:

تم خود میری قید میں بے بس ہو۔ تم میرے خلاف
کیا کارروائی کر سکتے ہو؟

جوگی سانپ نے پھنکار مار کر سانپ کی آواز میں جواب دیا:
تم مجھے زیادہ دیر تک اس قید میں نہیں رکھ سکتے
کیوں کہ میرے گورو جادوگر کو میری حالت کا پتہ
چل گیا ہے وہ میری مدد کو آتا ہو گا۔ وہ بہت
بڑا جادوگر ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے پاس بھی
کوئی طلسم ضرور ہے جس کی وجہ سے تم نے مجھے
سانپ بنا دیا ہے۔ لیکن میرے گورو کے جادو کا

نڈھال ہو گیا۔ اب تھیوسانگ نے سانپ کی زبان میں اسے کہا:
جوگی! میں جانتا ہوں کہ تم اصلی راجہ نہیں ہو بلکہ ایک
مکار جوگی ہو اور دھوکے سے تخت پر قبضہ کئے ہوئے
ہو۔ مجھے تمہارے تخت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں
تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کون سا
منتر ہے جس کے پھونکنے سے ماریا کی رُوح چٹانی رانی
کے جسم سے آزاد ہو سکتی ہے؟

جوگی سانپ پہلے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ شخص
سانپ کی زبان جانتا تھا۔ پھر جب اسے یہ علم ہوا کہ یہ شخص
اس کی رانی چٹانی کے جسم سے ماریا کی رُوح نکالنا چاہتا ہے تو
وہ غصے سے کانپنے لگا۔



تم مقابر سے کر سکو گے۔ وہ متیں ایک ہی پونک
 ہر کر جسم کر دے گا۔

تھیوساگک سچو ہی کہ جوگی راجہ کے جسم میں جسم کی
 ایسی لہریں متیں جنہوں نے اس کے چھوٹے سے اسے
 سانپ بنا دیا ہے۔ اس نے جوگی سانپ سے کہا
 میں تمہارے گورد کے آنے سے پیسے پہلے متیں
 ہلاک کر دوں گا۔ اس لیے اگر تم اپنی جان بچانا
 چاہتے ہو تو مجھے وہ منتر بتا دو جس کے پڑھنے
 سے ماریا کی روح چنتان کے جسم سے آزاد ہو
 جائے گی۔

جوگی سانپ بولا:

اگر میں نے متیں یہ منتر بتا دیا تو میری رانی
 مر جائے گی۔ وہ پھر سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن
 جائے گی اور یہ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا
 تھیوساگک نے کہا:

تو کیا متیں یہ منظور ہے کہ تم خود ہلاک کر
 دیئے جاؤ؟

جوگی سانپ کی آواز آئی:

میں جانتا ہوں تم مجھے اس وقت تک نہیں

مارو گے جب تک کہ میں متیں خفیہ منتر نہ بتا
 دوں اور میں یہ منتر متیں کبھی نہیں بتاؤں گا۔

تھیوساگک نے سانپ کو پانی میں ایک اور ڈبئی دی
 سانپ بے دم ہو گیا۔ تھیوساگک نے ایک بار پھر جوگی
 سانپ سے کہا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے خفیہ منتر
 بتا دے۔ مگر جوگی سانپ نے ایک بار پھر انکار کر دیا۔
 تھیوساگک نے جوگی سانپ کو ڈبئی میں بند کر دیا اور موچے
 لگا کر یہ جوگی بڑا غندی ہے۔ اسے خفیہ منتر نہیں بتائے گا
 اور اگر اتنی دیر میں اس کا جادوگر گوردو یہاں پہنچ گیا تو
 نہ جانے وہ کیا نئی مصیبت برپا کر دے اور وہ کسی اور
 مشکل میں نہ پھنس جائے۔ پھر کیا کیا جائے؟

تھیوساگک یہی سوچتا ہوا جنگل میں پہاڑی تالے کے ساتھ
 چلتے چلتے ایک گہری گھاٹی کے کنارے پر آ کر رک گیا۔
 اس کے چاروں طرف گہرا سناٹا اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔
 اچانک اسے ایک چھتر کے پاس کچھ سرسراہٹ سی سنی
 دی۔ اس نے جھک کر غور سے دیکھا تو اسے ایک سانپ
 نظر آیا جو اندھیرے میں اپنا چمن اٹھائے اس کی طرف بڑھ
 رہا تھا۔ تھیوساگک نے اسے سانپ کی زبان میں پوچھا کہ
 وہ اس کی طرف کیوں بڑھ رہا ہے۔

تم مجھے ڈس بھی دو کے تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔
 کوبرا سانپ نے اپنا پھن جھکا دیا اور بولا :
 مجھے اس جنگل کے شیش ناگ نے بھیجا ہے ہمیں
 اپنی کھوہ میں ناگ دیوتا کی بو آئی تھی شیش ناگ
 نے مجھے یہ پتہ کرنے بھیجا ہے کہ جا کر دیکھوں کہ
 یہاں ناگ دیوتا تو نہیں آیا ہے۔ کیا تم ناگ دیوتا
 ہو؟ کیوں کہ تمہارے جسم سے بھی مجھے ناگ دیوتا
 کی بو آ رہی ہے۔
 تھیوسانگ نے کہا :

میں ناگ دیوتا نہیں ہوں مگر اس کا بھائی ضرور
 ہوں چلو مجھے شیش ناگ کے پاس لے چلو مجھے
 اس سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔
 کوبرا سانپ نے ادب سے کہا :
 میرے ساتھ چلئے :

کوبرا سانپ تھیوسانگ کو پہاڑی جنگل کی ایک کھوہ
 میں لے گیا جہاں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ یہ روشنی
 شیش ناگ کے سر پر بنے ہوئے چھوٹے سے تاج میں سے
 نکلی رہی تھی۔ شیش ناگ پتھر کی ایک چوکی پر کھڑی ہو
 بیٹھا تھا۔ تھیوسانگ نے جا کر اپنا تعارف کرایا تو شیش ناگ

نے آہستہ سے اپنی گردن ذرا سی جھکائی اور بولا :
 "ناگ دیوتا کے دوست کو میرا سلام پہنچے میں تمہاری
 کیا خدمت کر سکتا ہوں؟
 تھیوسانگ نے شیش ناگ کو ماریا کے بارے میں اور جوگی
 راجہ کے جادو کے بارے میں سب کچھ بتایا اور پھر ڈبی سننے
 رکھ کر کہا :

"اس ڈبی میں جوگی راجہ سانپ کی شکل میں قید
 ہے وہ مجھے خفیہ منتر نہیں بتا رہا اور اس کا جادوگر
 گورو بھی مجھ سے بدلہ لینے اور اسے میری قید سے
 چھڑانے کے لئے آ رہا ہے۔"
 شیش ناگ نے کہا :

"دینا کے کسی سانپ میں اتنی طاقت اور اتنی جرات
 نہیں ہے کہ وہ ناگ دیوتا کے بھائی یا اس کے
 دوست کو کوئی نقصان پہنچا سکے :
 تھیوسانگ نے کہا :

لیکن یہ جوگی سانپ بہت بڑا جادوگر ہے اور اس
 کا گورو تو اس سے بھی زیادہ خطرناک جادوگر ہے۔
 شیش ناگ نے کہا :

"اس کا کوئی جادو یہاں نہیں چل سکے گا اگر اس کا

گورو جادوگر ہے تو میں بھی شیش ناگ ہوں
ایسا کرو کہ ڈبی میرے سامنے زمین پر رکھ دو
میتوسانگ نے جوگی سانپ والی ڈبی شیش ناگ کے سامنے
زمین پر رکھ دی۔ شیش ناگ نے اپنا پھن پورا پھیلا دیا۔ پھر پھن
کو آہستہ آہستہ نیچے کرتا عین ڈبی کے اوپر لے آیا۔ اس
کے بعد شیش ناگ نے پھنکار ماری تو ڈبی زمین سے اوپر کو
اچھل۔ اس کے اندر سے جوگی سانپ کے چھینے کی آواز آئی
شیش ناگ نے دوسری پھونک ماری تو جوگی سانپ نے
چلا کر کہا:

مجھے معاف کر دو شیش ناگ۔ میں وہی کروں گا
جو تم کہو گے۔

شیش ناگ نے کہا:

وہ خفیہ منتر بناؤ جو تم سے میتوسانگ پوچھ رہا تھا۔

جوگی سانپ بولا:

بتانا ہوں۔ بتانا ہوں۔

اور پھر جوگی سانپ نے وہ منتر بول دیا اور کہا کہ اگر
منتر تین بار پڑھ کر رانی چنتانی پر پھونک دیا جائے تو مایا
کے جسم سے باہر نکل آئے گی۔ اور رانی چنتانی پھر سے پھولوں
کا ڈھانچہ بن جائے گی۔

میتوسانگ نے کہا:
شیش ناگ: ہو سکتا ہے جوگی سانپ جھوٹ بول رہا ہو۔
شیش ناگ بولا:

میتوسانگ: جب تک تم ماریا کو آزاد نہیں کرا لیتے
جوگی سانپ میرے پاس اس غار ہی میں رہنے گا۔
تم محل میں جاؤ اور ماریا کو آزاد کرا کر یہاں ساتھ
لے آؤ۔

میتوسانگ کے یہ یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ ابھی رات تھی۔
اور رانی چنتانی سو رہی ہو گی۔ وہ سوتے میں اس پر خفیہ
منتر پھونک سکتا تھا۔ میتوسانگ جلدی سے غار میں سے
باہر نکل گیا اور جتنی تیز چل سکتا تھا محل کی طرف پہنچنے لگا
راتے میں راج کمار کا غار بھی آیا مگر اس نے اسے بتانا ضرور
نہ سمجھا اور محل کی طرف چلتا رہا۔ رات کا پچھلا پہر تھا کہ
میتوسانگ شاہی محل کے باغ والی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں
سے اس نے پہلے کی طرح دیوار پار کی اور شاہی محل کی خواجگاہ
کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر رانی چنتانی پر پڑی۔
وہ جلدی سے درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ رانی چنتانی اپنی دو
کنیزوں کے ساتھ پھولوں کی مالا ماتھ میں پکڑے مندر میں
سنا دیوی کی پوجا کرنے جا رہی تھی۔

ہی رانی چنتانی کے حلقے سے ایک بھیانک بیج نکلی اور وہ
دھڑام سے زمین پر گر پڑی۔ کیزوں نے یہ حال دیکھا تو شور
مچاتی دہاں سے بھاگ گئیں۔ تھیوسانگ نے ماریا کو آواز دی
اب اسے ماریا کی خوشبو آنے لگی تھی۔
ماریا نے خوش ہو کر کہا،

تھیوسانگ! میں تمہارے پاس ہوں۔ خدا کا شکر ہے
میں اس مخوس طلسم سے آزاد ہو گئی۔
رانی چنتانی زمین پر گرنے کے ساتھ ہی ہڈیوں کے ڈھانچے
میں تبدیل ہو گئی۔

تھیوسانگ نے ماریا سے کہا:

یہاں سے جتنی جلدی ہو نکل چلو۔ میرے ساتھ رہنا۔
میں جنگل کی طرف جا رہا ہوں۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ نے جنگل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

دیا اس کے سر کے اوپر ہوا میں اڑتی جا رہی تھی۔ اس نے
تھیوسانگ سے کہا بھی کہ وہ چھوٹا بن جائے اور وہ اسے

اٹھا لے گی مگر تھیوسانگ نے کہا کہ اس کے پاس اتنا وقت

نہیں ہے۔ تھیوسانگ کو دیے بھی تھکان نہیں ہوتی تھی

اور اسے سانس بھی نہیں چڑھتا تھا اس لیے اسے دوڑنا

زیادہ اچھا لگتا تھا۔ دونوں بہت جلد جنگل میں پہنچ گئے۔ پھر وہ

یہ مندر شاہی باغ کی ایک طرف بنا ہوا تھا۔ تھیوسانگ
چھپ کر رانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ابھی پوری طرح سے
صبح نہیں ہوئی تھی اور باغ میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا
رانی اور کیزی جھوٹے سے مندر کے اندر چلی گئیں۔ تھیوسانگ
بھی اندھیرے میں ریگتا ہوا مندر کی دیوار کے پاس آ کر کھڑا
ہو گیا۔ خفیہ منتر رانی کے چہرے پر پھونکا جانا تھا۔ اس لیے
ضروری تھا کہ رانی تھیوسانگ کے سامنے ہو۔ تھیوسانگ باہر
کھڑا رانی کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد
رانی باہر آئی۔ وہ آگے آگے چل رہی تھی۔ دونوں کیزی اس
کے پیچھے تھیں۔ جونہی رانی چنتانی تھیوسانگ کے قریب سے
گذری تھیوسانگ اچھل کر رانی کے سامنے آ گیا اور بولا:

رانی جی! میری مدد کریں۔ میں عزیز ہوں جاگیر دار
نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔

رانی چنتانی اس خیال سے رک گئی کہ یہ کوئی عزیز کسان
ہے اور مدد کے لئے آیا ہے۔

رانی نے پوچھا:

تم کہاں رہتے ہو؟

تھیوسانگ نے اس دوران تین بار خفیہ منتر پڑھا اور زور
سے رانی چنتانی کے منہ پر پھونک مار دی۔ پھونک کے گئے

بیٹھا تھا۔ تھیوسانگ کو دیکھ کر راج کمار نے مسکرا کر طعنیہ
لجے میں کہا،

کیوں بھائی تھیوسانگ! راجہ کو کہاں چھوڑ آئے؟
تھیوسانگ کو بڑا غصہ آیا کہ وہ اس کا مذاق اڑانے کی
کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ غصے کو پی گیا اور بولا:

”تمہارا راجہ اب اس دنیا میں نہیں ہے اور تم محل
میں جا کر تخت پر قبضہ کر سکتے ہو۔ کیونکہ راجہ کی
رانی بھی دوسری دنیا کو جا چکی ہے۔“
راج کمار نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پنڈاری کی طرف
دیکھا۔ پنڈاری نے کہا:

”ہمارا راجہ! اس بے چارے کا جنگل میں آکر دماغ چل
گیا ہے۔ اس کی بات کا بڑا نہ مانیں۔“
راج کمار نے تھیوسانگ سے کہا:

”میرے بھائی! آؤ کچھ کھا پی لو۔ اس طرح سے تمہاری
طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“

ماریا نے آہستہ سے تھیوسانگ سے پوچھا کہ یہ کس قسم
کی باتیں کر رہے ہیں اگر تم کو تو میں ابھی ان کی طبیعت
ٹھیک کر دوں؟

تھیوسانگ نے کہا:

”تھائی آگئی جس کے پاس ہی شیش ناگ کا ٹکڑا تھا۔ تھیوسانگ
کو دیکھ کر شیش ناگ نے پوچھا کہ کیا وہ ماریا کو آزاد کرانے
میں کامیاب ہو گی؟“
تھیوسانگ نے کہا:

”ماریا میرے ساتھ ہے شیش ناگ۔“
شیش ناگ نے ماریا کو آواز دی۔ ماریا نے بھی سانپ کی
ٹوٹی پھوٹی زبان میں کہا:

”میں تھیوسانگ کے ساتھ ہوں۔“
شیش ناگ نے تھیوسانگ سے کہا:

”جوگی سانپ کا جادوگر گورو ابھی تک نہیں پتہ لگا
ہو سکتا ہے وہ آجائے۔ اس لیے بہتر ہے کہ
تم اس جوگی سانپ کو میرے پاس ہی رہنے دو۔ کیونکہ
اس کے جادوگر گورو کا بچہ پر جادو نہیں چل سکے گا
تھیوسانگ اور ماریا نے شیش ناگ کا شکریہ ادا کیا اور
کھودہ میں سے نکل کر اس غار کی طرف چل پڑے جہاں
راج کمار اپنے غلام پنڈاری کے ساتھ رہتا تھا۔ تھیوسانگ
غار میں داخل ہوا۔ تو راج کمار اور پنڈاری جاگ رہے تھے
دن نکل آیا تھا اور راج کمار ہندو سے منہ ہاتھ دھو کر بیٹھا
میں بیٹھا رہا تھا۔ غلام پنڈاری اس کے پاس ہی ادب سے

”دیوی! مجھے معاف کر دے۔ مجھے معاف کر دے
مجھ سے غلطی ہو گئی۔ تھیوسانگ! دیوی سے کہو
مجھے معاف کر دے۔“

تھیوسانگ نے ماریا سے کہا:
”ماریا! راجکمار کو معاف کر دے۔“

ماریا نے راجکمار کی گردن چھوڑ دی۔ راجکمار اپنی گردن
کو سہلارٹا تھا۔ اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔ پنڈاری بھی دہشت زدہ
تھا۔ تھیوسانگ نے کہا:

”اب تم دونوں کو یقین آ گیا ہو گا کہ میرا دماغ بالکل
اپنی جگہ پر ہے اور امید ہے کہ تم لوگوں کا بھی دماغ
ٹھیک ہو گیا ہو گا۔“

راجکمار اور پنڈاری نے ہاتھ جوڑ دیے اور اپنے سر
جھکا کر بولے:

”ہمارا راج! آپ مہمان ہیں۔ آپ کا کوئی مقابلہ نہیں کر
سکتا۔ آپ اوتار ہیں۔“
تھیوسانگ نے کہا:

”راجکمار۔ میں اب بھی تمہارا وہی دوست ہوں۔
جس کو تم دیوی سمجھ رہے ہو وہ میری دوست ماریا
ہے۔ مگر وہ تمہاری نظروں سے غائب ہے۔ اب

نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ماریا۔“

راجکمار نے چونک کر پوچھا:

”یہ تم کس ماریا سے باتیں کر رہے ہو؟“
غلام پنڈاری نے راجکمار کی طرف دیکھ کر کہا:
”ہمارا راج! بے چارے تھیوسانگ کا اس میں کوئی قصور
نہیں ہے۔ اس کے دماغ پر جنگل کی آب و ہوا
کا اثر ہو گیا ہے۔ اسے معاف کر دیں۔“

اب تو تھیوسانگ سے نہ رہا گیا۔ اس نے ماریا سے کہا:
”ماریا! ان کو بتا دو کہ میرا دماغ نہیں چل گیا۔“

اب ان کے مزاج ذرا ٹھیک کر دو۔
ماریا بڑے آرام سے آگے بڑھی اور سب سے پہلے
نے غلام پنڈاری کو اپنا نشانہ بنایا اور اس کے منہ پر
سی چپت لگا کر اسے پیچھے کو گرا دیا۔ پنڈاری تو بوکھلا
گیا کہ اسے کس نے ہلانچ مارا ہے۔

راجکمار بھی حیران سا ہو کر بولا:

”پنڈاری تم کو کس نے گرا دیا؟“

اب ماریا راجکمار کی طرف بڑھی اور اس کو گردن

پکڑ کر ایک ہلکا سا جھٹکا دیا۔ راجکمار کا دماغ بل گیا۔
انھیں باہر نکل آئیں۔ ہاتھ باندھ کر بولا:

اور اسے پسند کرتے تھے لیکن سپہ سالار اور منتری جل گئے۔
جب انہیں پتہ چلا کہ راج کمار نے رانی اور راجہ کو مار ڈالا
ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ راج کمار کو بھی زندہ نہیں رہنے
دیا جائے گا۔ تھیوسانگ اور ماریا جوشیار تھے۔
تھیوسانگ نے ماریا سے کہا:

تم سپہ سالار کی خبر لو۔ میں منتری کو سنبھالتا ہوں۔
ماریا نے کہا:
ایسا ہی ہو گا۔

اس رات سپہ سالار نے راج کمار کو موت کے گھاٹ اتارنے
کے لئے ایک غلام کو خنجر دے کر راج کمار کی خواب گاہ کی
طرف بھیج دیا۔ ماریا راج کمار کے کمرے سے نکل ہی رہی تھی
کہ اس نے ایک انسانی سانسے کو راج کمار کی خواب گاہ کی
طرف بڑھتے دیکھا۔ ماریا لپک کر اس کے پاس آ گئی۔ یہ غلام
پادری سے مزین سر پہیٹے خنجر چھپاتے دبے پاؤں خواب گاہ کی
طرف جا رہا تھا۔ ماریا نے آہستہ سے اس کے کانٹ پر
اتھ مارا اور پوچھا:

کہاں جا رہے ہو؟

غلام تو گھبرا گیا۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی بھی نہیں تھا
اب وہ ڈر گیا کہ ضرور یہ کوئی جن بھونٹ یا چڑیل ہے۔ ماریا

میں ممتیں ایک بار پھر خوش خبری سنا رہی ہوں کہ
مکار اور ہمدار راجہ کو ایک ایسی جگہ قید ہیں
ڈال دیا گیا ہے جہاں سے وہ ساری زندگی باہر
نہیں نکل سکے گا۔ رانی بھی اپنے اسبام کو پہنچ چکی
ہے۔ جاڈ شاہی محل میں تخت تمہارا انتظار کر
رہا ہے۔

راج کمار خوش ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ تھیوسانگ جھوٹا
نہیں کہہ رہا۔ اس نے کہا:

تھیوسانگ! میں تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔
مگر میری خواہش ہے کہ تم اور ماریا میرے ساتھ چلو
کیونکہ ہو سکتا ہے مہا منتری اور سپہ سالار اور میری
مخالفت کریں اور مجھے نقصان پہنچائیں۔ وہ جوگی
راجہ کے خوشامدی تھے اور مجھے پھر سے راجہ بننے
دیکھنا گوارا نہیں کریں گے۔
تھیوسانگ نے کہا:

ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔

اسی وقت یہ سب لوگ شہر کی طرف چل پڑے۔ راج کمار
داخل ہوا تو درباری اور محل کے لوگ اسے
شاہی محل میں خوش ہوئے۔ یہ لوگ راج کمار کے دوست تھے
دیکھ کر بہت

ماریا نے کہا:

تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ میں درگا دیوی ہوں۔
اور تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ تمہارے بیٹے جو
غلام کو سپاہیوں نے پکڑ کر زندان میں ڈال دیا ہے۔
کل اس کی گردن اڑا دی جائے گی اور اگر تم نے
راج کمار کے خلاف اب کوئی سازش کی تو میں خود
آکر تمہاری گردن اڑا دوں گی۔ بولو۔ کیا تم راج کمار
کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت کرو گے؟
سپہ سالار فوراً سجدے میں گر پڑا اور ہاتھ باندھ کر بولا:
"دیوی درگا! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر
دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ راج کمار کا وفادار
ہوں گا۔"

ماریا بولی: "اگر تم اپنے اس وعدے سے ذرا بھی
بچے تو میں دیہی آکر تمہاری گردن اتار دوں گی۔"
سپہ سالار نے بندھے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور بولا:
"درگا دیوی! کلیانی! میری اتنی جرأت کہاں کہ تمہارے
حکم کے آگے سر اٹھاؤں۔ آج سے راج کمار میرا بیٹا
ہے اور وہی راج کرے گا۔"
ماریا نے کہا:

میں غلام کی گردن پر زور سے ہاتھ مارا۔ وہ نیچے سر پٹا۔
ماریا نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر دیا تو غلام کی چیخ نکل
گئی۔ چیخ کی آواز سن کر سپاہی جو پہرے پر تھے اس طرف
آ گئے۔

ماریا نے بلند آواز میں کہا:

"میں دیوی درگا ہوں۔ یہ آری راج کمار کو ہلاک کرنے
آیا تھا۔ اسے پہ سالار نے بھیجا ہو گا۔ اس کو پکڑ
کر قید میں ڈال دو اور خبردار اگر کسی نے راج کمار
کی طرف بڑی نظر سے دیکھا تو میں اس کو زندہ
نہ چھوڑوں گی۔"

سارے کے سارے سپاہی اور پہرے دار سجدے میں آ
گئے اور بولے:

"دیوی درگا کی جے ہو، ہم راج کمار کے وفادار ہیں۔"
غلام کو فوراً زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ ماریا بھاگ کر پہلا
کے محل میں آ گئی۔ وہ بے چینی سے ٹٹل رہا تھا۔ ماریا نے
جاتے ہی پوچھا:

"تم کس لیے بے چین ہو؟"

سپہ سالار نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ آواز کہاں
سے آئی ہے؟ وہ حیران تھا۔

چنانچہ ایک دن تھیوساگ اور ماریا بادبان جہاز پر سوار ہو کر سری لنکا کی طرف روانہ ہو گئے۔ سری لنکا وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ دن کو چلے تھے اور جہاز کو شام سے پہلے پہلے سری لنکا پہنچ جانا چاہیے تھا۔ لیکن لکش دیپ سے نکلنے کے مقبوضی دیر بعد ہی سمندر میں زبردست طوفان آ گیا۔ یہ اس قدر خوفناک طوفان تھا کہ جہاز سمندر میں چکر کھانے لگا۔ آسمان کال سیاہ گھٹاؤں میں چھپ گیا۔ ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔ ہوائیں اتنی تیز تھیں کہ جہاز ایک تھکے کی طرح سمندر میں جھٹکنے لگا۔ جہاز کے مسافروں میں کہرام مچ گیا تھا۔ لوگ دیواروں دروازوں اور بانس کے ڈنڈوں سے چپکے ہوئے تھے۔ تھیوساگ بھی ایک مستول کے ڈنڈے کی رسی کو پکڑے بیٹھا تھا۔ ماریا یہ دیکھنے کے لیے بادلوں میں اُپر اٹھ گئی تھی کہ طوفان کتنے شدید ہے اور آسمان پر بادل کہاں تک چھائے ہوئے ہیں۔ مگر آہندھی اتنی شدید اور طوفانی تھی اور گھٹاؤں کی وجہ سے اس قدر گہرا اندھیرا چھا گیا تھا کہ ماریا کو بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ ماریا بھی پریشان سی ہو گئی اور وہ بادلوں کے اوپر تک پہنچ گئی مگر بادل اوپر تک چلے گئے تھے۔ طوفانی ہواؤں کے تھپڑ ماریا کو ادھر ادھر اڑانے لگے تو ماریا فوراً بادلوں میں سے

اس حمد کو یاد رکھتا:۔
یہ کہہ کر ماریا محل سے نکل گئی۔ دوسری طرف تھیوساگ نے بھی مندری کو ایسا سبق سکھایا کہ وہ بھی گڑبڑا کر تھیوساگ سے معافی مانگنے لگا۔ اور اس نے بھی وعدہ کیا کہ وہ راجا کا وفادار بن کر رہے گا۔
راج کمار کی تاج پوشی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھیوساگ اور ماریا نے بھی اس جشن میں حصہ لیا۔ تین دن تک جشن کی رونق لگی رہی۔ چوتھے روز تھیوساگ نے راج کمار سے اجازت لی اور ماریا کو لے کر لکش دیپ کی بندرگاہ پر آ گیا۔ انہیں ناگ اور عنبر کیٹی کا بھی فکر تھا۔ ابھی تک انہیں ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کس خال میں ہیں۔ بندرگاہ پر جا کر انہوں نے یہ پتہ کیا کہ ملک سری لنکا کو کون سا جہاز جائے گا۔ کیونکہ ماریا کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے ناگ اور عنبر کیٹی ابھی تک سری لنکا میں ہی ہوں۔ ماریا چاہتی تھی کہ وہ تھیوساگ کو اٹھا کر لے جائے مگر تھیوساگ بولا:

”ہمیں سمندر میں دوسرے مسافروں کے ساتھ سفر کرنا چاہیے ہو سکتا ہے ان مسافروں سے ہی ہمیں عنبر ناگ کیٹی کا کچھ سراغ مل جائے۔“

کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
 ماریا نے سمندر کے اندر ہی سمندر کا پانی اپنے پیچھے چھوڑ
 میں پھینچ لیا کہ اگر اس کا جسم عام انسانوں کی طرح ہو گا تو
 اسے بے چینی محسوس ہوگی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ جو پانی اس
 نے منہ کے ذریعے اپنے اندر کھینچنا تھا وہ فوراً ہی ناک
 کے ذریعے باہر آ گیا۔ ماریا کو محسوس ہوا کہ سمندر کے اندر
 پانی میں رہنے کے بھی اسے ہلکی ہلکی آکسیجن مل رہی ہے۔
 یہ آکسیجن پانی میں کافی مقدار میں ہوتی ہے اور اسی کی
 وجہ سے بعض مچھلیاں اور پودے سمندر کے اندر نشوونما
 حاصل کرتے ہیں۔ مچھلیوں کے گھچھڑوں میں قدرت نے ایسی
 صلاحیت رکھی ہوتی ہے کہ وہ پانی میں سے آکسیجن الگ
 کر کے مچھلی کو سپلائی کرتے ہیں جب کہ انسان ایسا نہیں کر
 سکتا، لیکن ماریا پر یہ راز کھلا کہ وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اس
 کا مطلب یہ تھا کہ اس کی زندہ رہنے کی طاقت اپنی جگہ
 پر قائم ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا جسم ظاہر ہو گیا تھا
 اور ظاہر ہونے کے بعد ایک عورت کی طرح نازک بھی تھا۔
 ماریا نے سمندر سے باہر سر نکال کر چاروں طرف دیکھا
 اسے وہ جہاز کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس میں وہ تھیں۔
 اس کا ساتھ سفر کر رہی تھی۔ اسے بے حد دکھ ہوا کہ قیامت

گذر کر نیچے آنے لگی۔ بادل گہرے اور سیاہ تھے اور بارش
 سے بھرے ہوئے تھے۔ ماریا ان میں سے گذرتی نیچے آتی
 جا رہی تھی مگر بادل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔
 ماریا جیسے بادلوں میں گرتی چلی جا رہی تھی۔ گرتے گرتے
 اس نے محسوس کیا کہ اس کا جسم ظاہر ہونا شروع ہو گیا
 ہے۔ وہ اپنے جسم کو محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے ایک بار
 ڈرتے ڈرتے اپنے بازو پر ہاتھ پھیرا تو وہ کانپ کر رہ
 گئی۔ اس کا بازو غائب نہیں تھا۔ مگر بادلوں میں اس قدر
 گہرا اندھیرا تھا کہ ماریا کو اپنا جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر
 ایک دم سے بادل ختم ہو گئے اور فضا دھندلی دھندلی
 سی نظر آنے لگی اور ماریا دھڑام سے سمندر میں گر پڑی۔
 سمندر میں گرتے ہی ماریا نے اپنے اندر جو پہلی تبدیلی محسوس
 کی وہ یہ تھی کہ اس کا جسم غائب نہیں تھا وہ ظاہر ہو
 گئی تھی۔ اس پر ماریا کو زیادہ حیرانی نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے
 پہلے بھی وہ کسی نہ کسی وجہ سے ظاہر ہوتی رہی تھی۔ ہو سکتا
 ہے اس بار بھی اس کے جسم کی شعاعوں پر بادلوں میں
 گردش کرتے رہنے والے مختلف کیمیکلز کا اثر ہو گیا ہو زیادہ
 پریشانی اسے اس بات کی تھی کہ کہیں اس کی ہمیشہ زندہ رہنے
 والی طاقت تو ختم نہیں ہو گئی۔ اس کا تجربہ اس نے وہیں

متوجہ کر سکے۔ جہاز کی رفتار اتنی زیادہ نہیں ہو سکتی تھی
 ہوا تیز ہوتی تو جہاز کی رفتار بھی تیز ہو جاتی تھی۔ مگر اس
 وقت ہوا زیادہ تیزی سے نہیں چل رہی تھی۔ چنانچہ جہاز
 جب ماریا سے کچھ فاصلے پر سے گذرا تو شام ہو چکی تھی
 سمندر میں ہلکا ہلکا اندھیرا اتر آیا تھا اور جہاز کے مستعمل پر
 تیل کی لائٹیں روشن ہو گئی تھیں۔ ماریا نے زور زور سے
 آوازیں دینی شروع کر دیں۔ جہاز کے عرشے یعنی ڈیک پر
 دو آدمی کھڑے سمندر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جو
 کسی عورت کی آواز سنی تو غور سے اندھیرے میں نظریں ڈالیں
 انہیں سمندر میں ایک جگہ انسان حرکت کرتا اور ہاتھ ہلاتا
 دکھائی دیا۔ انہوں نے پستان کو جا کر خبر کی۔

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ جہاز کیسا تھا۔ آج بے
 سات سو برس پہلے جنوبی امریکہ کے ایک ملک برازیل میں
 پلین اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے عیسائیوں
 نے زمینوں پر نئی نئی کاشتکاری شروع کی تھی اور گنے کی
 فصل سے بے پناہ دولت کماتا رہے تھے۔ انہیں گنے کے کھیتوں
 میں کام کرنے کے لئے مزدوروں کی ضرورت تھی۔ اس زمانے
 میں غلاموں کی خرید و فروخت کا عام رواج تھا۔ چنانچہ
 برازیل کے امیر زمینداروں نے بحری ڈاکوؤں سے رابطہ قائم کی

۷۷
 سے ملنے کے کچھ دیر بعد ہی وہ اس سے بچھڑ گئی۔ لیکن اس
 نے سبر شکر کر لیا کیوں کہ ملنا بچھڑنا تو زندگی میں ہوتا ہی رہتا
 تھا۔ ماریا نے اب سمندر میں تیرنا شروع کر دیا۔ طوفان
 جا چکا تھا۔ سمندر کی موجیں عام طرح سے بننے لگی تھیں۔
 مگر آسمان پر ابھی تک بادل چھلے تھے۔ یہ بادل اتنے
 سیاہ نہیں تھے کہ ساری فضا میں اندھیرا چھا جاتا۔
 ماریا کو سمندر کی موجیں ایک ہی جگہ اوپر نیچے کر رہی
 تھیں۔ تکیوں کے سمندر کے وسط میں موجیں اسی طرح حرکت
 کرتی ہیں۔ صرف کنارے سے کوئی سو پچاس میل قریب
 آکر سمندری موجیں ساحل کی طرف کھینچنا شروع ہوتی ہیں۔
 موجوں کی پللی سے ماریا نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سمندر کے
 درمیان میں ہے اور کنارہ وہاں سے کافی دور ہے۔ ماریا
 نے تیرنا شروع کر دیا۔

تیرتے تیرتے دن کافی گذر گیا۔ اچانک ماریا کی نظر دور
 ایک جہاز کے باطنوں پر پڑی۔ یہ جہاز سمندر میں مغرب کی
 طرف سفر کر رہا تھا اور مختصری دیر بعد اسے ماریا کے
 قریب سے ہو کر گذرنا تھا۔ ماریا ایک خاص زاویے سے
 سمندر میں تیرنے لگی کہ جب یہ جہاز اس کے نزدیک سے
 گذرے تو وہ آواز دے کر جہاز کے مسافروں کو اپنی طرف

اور انہیں بھاری لٹا دیا کہ اگر وہ افریقہ سے جہتی غلام
خرید کر لے آئیں تو انہیں ایک غلام کے عوض سونے کا ایک
سکہ دیا جائے گا۔ بھری ڈاکوؤں نے یہ کیا کہ مغربی افریقہ کی
کسی بندرگاہ کے ساتھ ساتھ جنگل کی بستیوں میں گھس کر حبشی
عورتوں اور مردوں کو پکڑ کر سیوں سے باندھ کر جہاز پر لٹاتے
اور پھر برازیل کی بندرگاہ ایگری پر انہیں برازیل زمینداروں کے
ہاتھ فروخت کر دیتے۔ ان حبشی غلاموں کو گنے کے کھیتوں
میں کام پر لگا دیا جاتا اور حبشی عورتوں کو گھروں میں نوکرانیاں
بن دیا جاتا۔ یہ زیادہ تر مسلمان ہوتے تھے۔ برازیل کے جاگیردار
ان پر بے پناہ ظلم کرتے۔ رات کو انہیں زنجیروں میں باندھ کر
جانوروں کے ساتھ ٹولیوں میں رکھا جاتا۔ انہیں کھانے کے لئے
دن میں صرف ایک بار گندہ مندا شورہ اور سوکھی روٹی دی
جاتی۔ ان میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو اسے مرنے کے لئے
کھیتوں میں یا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا جاتا اور اس
کی جگہ دوسرا غلام لا کر کام پر لگا دیا جاتا۔

جس جہاز کو ماریا نے دور سے دیکھ کر آواز دی تھی
اس جہاز میں بھی افریقہ کے حبشی غلاموں اور عورتوں کو اٹھا
کر کے برازیل لے جایا جا رہا تھا۔ جہاز کے عرشے پر اس
غلام فروش جہاز کا ظالم کپتان اپنے سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا

کپتان نے حکم دیا کہ سمندر میں جو شخص ڈوب رہا ہے اسے
بجائے جہاز پر لایا جائے۔ کپتان اسے کوئی مرد سمجھا تھا مگر جب
اس نے دیکھا کہ یہ ایک خوبصورت نوجوان عورت ہے جس
کا نہ صرف رنگ گورا چٹا ہے بلکہ بال بھی سنہری ہیں اور
ہاتھیں بھی نیلی ہیں تو خوشی سے اس کی باجھیں کھل گئیں۔ وہ
اس عورت یعنی ماریا کو کسی امیر جاگیردار کے پاس بیچ کر
سونے کے کم از کم ایک سو کتے حاصل کر سکتا تھا۔ اس نے
ماریا کے ساتھ بڑا خوش اخلاقی کا سلوک کیا۔ اسے نئے کپڑے
پہننے کو دیئے۔ گرم گرم شورہ پلایا اور پھر اس سے پوچھا کہ
وہ کون ہے اور سمندر میں کیسے گر پڑی؟ ماریا نے یونہی
کہہ دیا کہ وہ ایک جہاز میں سفر کر رہی تھی جو طوفان میں ڈوب گیا
اور اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ ماریا کو اگرچہ جہاز
کے کپتان نے اچھی طرح رکھا تھا مگر وہ دیکھ رہی تھی کہ جہاز
کے کپتان اور نیچے کے حصے میں سیاہ فام حبشی مرد اور
عورتیں جانوروں کی طرح زنجیروں سے بندھے ہوئے ہیں۔ ماریا
خاموش رہی مگر چوکٹی ہو گئی۔

پراسرار چاپ

یاد بانی جہاز کھلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔
اسے سمندر میں سفر کرتے گیارہ دن گزر گئے تھے مگر
ابھی تک زمین نظر نہ آئی تھی۔ کیپٹن ماریا کی بڑی دیکھ بھال
کرتا تھا۔ اسے ایک کیمین میں رکھا گیا تھا اور ایک حبشی نوکرانی
اس کی خدمت پر لگا دی تھی۔ کیپٹن چاہتا تھا کہ ماریا کی
صحت اچھی رہے تاکہ اسے اس کی زیادہ قیمت مل سکے۔
حبشی نوکرانی پہلے تو ماریا سے کوئی بات ہی نہیں کرتی تھی۔
اس کے لیے کھانے کا سامان لے کر آتی اور چلی جاتی۔ ماریا
اسے بلاتی تو وہ سہمی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر تکتی اور جلدی
سے واپس چلی جاتی۔

آخر ایک روز ماریا نے اسے زبردستی اپنے پاس بٹھالیا
اسے اناس اور انگور کھانے کو دیئے۔ حبشی عورت بہت
سی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے بہت کم کھانے کو دیا
جاتا ہے۔ اس نے ماریا کے مجبور کرنے پر مقوڑا سا پھل

کھایا اور پھر بھاگ گئی۔ دوسرے روز بھی ماریا نے اسے
پھل کھانے کو دیا۔ تین چار روز گزرنے کے بعد حبشی عورت
ماریا سے مقوڑی بہت بات کرنے لگی۔ اس نے آنکھوں سے
آسو بھر کر بتایا کہ اس کا نام یولشی ہے اور اسے اس
خاوند حارث کے ساتھ گاؤں سے پکڑ کر برازیل لے جایا
جا رہا ہے جہاں ان دونوں کو بیچ دیا جائے گا۔ اب ماریا
پر یہ بھیہ کھلا کہ یہ بردہ فروشوں کا جہاز ہے اور اس پر
افریقہ کے ساحلی علاقوں سے پکڑے ہوئے حبشی مرد عورتوں
کو لاد کر برازیل فروخت کرنے کے لیے جایا جا رہا ہے۔
ماریا نے یولشی سے پوچھا کہ اس کے خاوند کا نام مسلمانوں
ایا ہے۔ کیا وہ مسلمان ہے؟
یولشی نے کہا:

”ہاں ہم میں سے اکثر مسلمان ہیں۔ میں بھی مسلمان
ہوں اور میرا خاوند بھی مسلمان ہے۔ لیکن میرے لوگ
ہمیں نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے۔ جیسے کہ کسان نے
اپنی خدمت کے لیے لگے۔ لہذا یہ ہے۔ اس سوائے مقوڑا
بہت تھپا ہوا کھانے کو مل جاتا ہے مگر میرا خاوند
دوسرے مسلمان خادموں کے ساتھ نیچے ایک بال کرے
میں زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے۔ اسے کھانے کو دن

کے پاس ہوتا تو اس کو مصیبت سے نجات دلا سکتا تھا۔ مگر وہ اکیلی تھی۔

جہاز بیس روز تک بحر اوقیانوس کے طوفانی پانیوں میں سفر کرتے کے بعد برازیل کے مشرقی ساحل کی بندرگاہ لیگری پہنچ گیا۔ حبشی سیاہ فام مسلمان غلاموں اور عورتوں کو ہنسر مار مار کر جہاز سے نیچے اتارا گیا۔ اس کے پاؤں میں زنجیریں پڑی تھیں اور ان کا بڑا حال ہو رہا تھا۔ راستے میں کتنے ہی غلام مر گئے تھے اور ان کو سمندر میں پیس دیا گیا تھا ماریا کو کپتان اپنے ساتھ نیچے لے گیا۔ پھر اسے بھی دوسرے غلاموں کی طرح ایک تخت پر کھڑا کر دیا گیا۔ اب اس کی بولی گنی شروع ہو گئی۔ ماریا کی حفاظت کے لئے کپتان کے چار سپاہی تلواریں لیے اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ دوسرے مرد گاجر مولیٰ کی طرح ایک ایک کتے کے حوض دیکھتے دیکھتے فرخت کر دیئے گئے۔ ماریا چونکہ نوجوان اور بہت خوبصورت تھی اس لیے اس کی بولی بڑھنے لگی۔ کپتان بڑا خوش تھا۔ وہ ماریا کی طرف اشارہ کر کے بار بار کہتا:

”دیکھو۔ اس کے بال سنہری ہیں۔ اس کی آنکھیں نیلی ہیں۔ اس کا رنگ گورا ہے۔ یہ نوجوان ہے ایسی نوندى ممتیں کہیں نہیں ملے گی۔“

میں سوائے شور بے اور باسی مردوں کے اور کچھ نہیں ملتا۔

ماریا کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ ان امن پسند مسلمان حبشیوں پر اس قدر ظلم کیا جا رہا ہے اور انہیں ڈھور ڈھگروں کی طرح پکڑ کر دوسرے ملک فروخت کرنے کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ مگر اس کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کی زیادہ مدد کر سکتی پھر بھی اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس کی جتنی مدد ہو سکی وہ ضرور کرے گی۔

یوشی نے ماریا سے کہا:

”تم بھی ان کی غلام ہو۔ کنیز ہو۔ تمہارے ساتھ اس لیے اپنا سیوک کیا جا رہا ہے تاکہ جس وقت تمہیں فروخت کیا جائے تو تمہاری صحت اچھی ہو اور تمہارا زیادہ دام مل سکے۔“

ماریا کا دل جیسے بیٹھ گیا۔ اب اس پر یہ راز کھلا کہ اس کی اتنی خدمت کیوں کی جا رہی تھی۔ وہ غائب بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ ٹھیک ہے مگر وہ مر نہیں سکتی تھی مگر مصیبت میں ضرور پھنس سکتی تھی۔ اسے ناگ عنبر کیٹی اور تھیسوا لگ کا خیال آنے لگا۔ ان میں سے اگر کوئی بھی اس وقت اس

مالک کا نا جاگیردار روڈی آ گیا۔ اس نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا اور بیچنے کی طرح چلا آ رہا تھا۔ ماریا اسے دیکھتے ہی سمٹ کر بیٹھ گئی۔ کانے جاگیردار نے ماریا کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا:

اب تم میری بیوی ہو۔ مگر اس حویلی میں بیوی بن کر انہیں بلکہ کنیز بن کر رہو گی۔ صرت کنیز کی رات تمہیں یہ کمرہ دیا گیا ہے۔ کل سے تم حویلی کی ادھر والی منزل کی ایک کوٹھڑی میں رہا کرو گی۔

ماریا نے کانے کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا: میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ اگر تم نے مجھ سے زبردستی شادی کرنے کی کوشش کی تو میں اپنا سانس روک کر خود کشی کر لوں گی۔

کانے جاگیردار نے چلا کر غلاموں کو بلا لیا۔ دو برازیلی بٹے کئے غلام ہاتھوں میں نیزے لئے اندر آ گئے۔ کانے جاگیردار نے حکم دیا:-

اس گستاخ عورت کو باغ والی کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دو۔ اس کے ساتھ وہی سلوک کرو

امیر لوگ جو جہاز کی آمد کا سن کر پہلے ہی سے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ بڑے چڑھ کر بول دے رہے تھے۔ آخر ایک کانے جاگیردار نے سونے کے دو سو سکوں کے عوض ماریا کو خرید لیا۔ ماریا بے بس تھی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی جس کانے جاگیردار نے اسے خریدا اس کا پیٹ باہر کو نکلا ہوا تھا۔ ایک آنکھ کاٹی تھی۔ سر سے گنچہ تھا اور عمر میں ماریا کے باپ سے بھی بڑا تھا۔ اس کے دو دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ ماریا کو سخت نفرت اور کراہت محسوس ہوئی مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس جاگیردار کا نام روڈی تھا۔ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ماریا کو پاکی میں ڈال کر حویلی میں پہنچا دیا جائے۔ یہ حویلی بندرگاہ سے دور ساحل سمندر کے جنگل میں بنی ہوئی تھی۔ حویلی کی چاروں طرف پتھر کی اونچی دیوار تھی۔ صرت ایک گیٹ تھا جس پر برازیلی بٹے کئے سپاہی تھواریں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا کو حویلی کے اندر ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں بوڑھی عورتوں نے اسے نہلایا دھلایا۔ نئے کپڑے پہنائے اور عمدہ کھانا کھلایا۔ ماریا خاموشی سے کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ تیار کر رہی تھی۔ شام تک ماریا نے ایک بچے کو سجانے کمرے کے چنگ پر آرام کیا۔ اس کے بعد اس کا

کی خبر نہیں تھی۔ ہر کوئی اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ کئی مسافر سمندر میں کود مکر مر گئے۔ آخر جہاز کا دوسرا حصہ بھی عرق ہو گیا۔ تھیوسانگ کے ہاتھ لکڑی کا ایک تختہ آ گیا۔ وہ اس پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ سمندری موجوں نے بہت جلد تھیوسانگ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ جب طوفان تھا۔ بادل چھٹے اور اندھیرا غائب ہوا تو تھیوسانگ نے دیکھا کہ وہ کھلے سمندر میں چھوٹے سے تختے پر تیر رہا ہے۔ دُور دُور تک سوائے سمندر کی موجوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تھیوسانگ کو ماریا کی بہت فکر لگی تھی کہ خدا جانے وہ ادھر ہی اوپر آسمان میں کہاں غائب ہو گئی ہے۔ وہ بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتا کہ شاید کسی طرف سے ماریا آ جائے۔

اسی طرح سمندر میں بے یار و مددگار سفر کرتے سارا دن گزر گیا۔ رات آ گئی۔ سمندر پر اندھیرا چھا گیا۔ لہروں کی آواز دہشت ناک محسوس ہونے لگی۔ تھیوسانگ تختے پر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ رات بھی گزر گئی۔

صبح ہوئی تو سورج کی چمکیں دشنی میں تھیوسانگ نے ایک جہاز کے بادبان دیکھے۔ یہ جہاز سمندر میں بہا چلا جا رہا تھا۔ تھیوسانگ نے غور سے دیکھا تو اس کا رخ مغرب

تھو جم ایسی عورتوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں جب اس کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا تو اسے میرے پاس لے آنا۔

برازیلی غلاموں نے اسی وقت ماریا کو بازوؤں سے پکڑا اور اسے گھسیٹے ہوئے جھیلی کے باغ کے کونے والی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا اور باہر تالا لگا دیا۔ ماریا کو دن میں صرف ایک بار کھانا اور پانی کا ایک کٹورا پینے کو ملتا۔ ماریا کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ کالے جاگیردار کی بیوی بننے سے بچ گئی ہے اور کوٹھڑی میں رہ کر فرار ہونے کی کوئی ترکیب سوچ سکتی ہے۔ لیکن وہاں سے فرار ہونا تقریباً ناممکن تھا۔ ایک تو کوٹھڑی میں کوئی روشندان یا کھڑکی نہیں تھی۔ دوسرے اس کا ایک ہی دروازہ تھا جس پر تالا لگا رہتا تھا۔

باہر برازیلی پہرے دار ہر وقت پہرہ دیتے تھے۔ دوسری طرف ایسا ہوا کہ تھیوسانگ نے جب دیکھا کہ بادلوں کے اوپر گئی اور پھر واپس نہیں آئی تو وہ ن ہو گیا۔ طوفان ابھی تک جاری تھا۔ جہاز کا آدھا سمندر میں عرق ہو گیا تھا اور باقی کا آدھا حصہ بھی ڈوب رہا تھا۔ ہر طرف افراتفری مچی تھی۔ کسی کو کسی

نے سارے عرشے پر گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ اگر یہ مسافر بردار جہاز نہیں ہے تو اس جہاز کا عملہ کہاں چلا گیا؟ اگر مسافر نہیں ہیں تو جہاز کے ملاحقوں کو تو ہونا چاہیے۔ وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں؟ تھیوسانگ جہاز کے نیچے دوسری منزل میں آیا تو یہاں اسے سخت بُو آئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ جہاز کی راہروی اور نیم روشن کیمبنوں میں جہاز کے عملے کی گلی مڑی لاشیں پڑی ہیں۔ وہ جہاز کے بڑے کیبن میں گیا۔ یہاں جہاز کے کیبن کی لاش پڑی تھی۔ میز پر کپتان کی لاگ فبک کھل پڑی تھی۔ تھیوسانگ نے کپتان کے لکھے ہوئے آخری الفاظ پڑھے۔ کپتان نے لکھا تھا کہ آج جہاز پر بیماری پھیلے ساتواں روز ہے۔ میرے عملے کے سارے ملاج مر چکے ہیں اور میں مر رہا ہوں۔ میں نے اس وبا کا بہت علاج تلاش کرنے کی کوشش کی ہے مگر کامیاب نہیں ہوا۔ ایسا ہوتا ہے کہ رات کو عرشے پر کسی کے قدموں کی چاپ سائی دیتی ہے۔ پھر صبح کو کوئی نہ کوئی ملاج مر جاتا ہے۔ آج رات میں اکیلا تھا۔ میں نے اوپر عرشے پر کسی کے قدموں کی چاپ سنی ہے اور بیٹھا لاگ فبک لکھ رہا ہوں تاکہ میں مرنے کے بعد یہ تحریر لوگ پڑھ لیں۔ مجھ پر سخت

کی طرف تھا۔ تھیوسانگ نے ہاتھوں کو پیچو بنا کر جھٹکے اور جہاز کی طرف لے جانے کی کوشش شروع کر دی۔ خود ہی دیر بعد تھیوسانگ جہاز کے قریب پہنچ گیا۔ جہاز کے عرشے پر کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھری ہوئی تھی مگر تھیوسانگ نے محسوس کیا کہ جہاز دائیں بائیں ڈولتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے۔ حالانکہ بادبانی جہاز کو سمندر میں کنٹرول کر کے چلایا جاتا ہے اور وہ دائیں بائیں اتنا زیادہ نہیں ڈولا کرتا۔ تھیوسانگ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس جہاز کو کوئی بھی کنٹرول نہیں کر رہا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ تھیوسانگ اپنے تختے کو جہاز کے پینڈے کے ساتھ اس جگہ لے آیا جہاں جہاز کے عرشے کے جھٹکے پر سے ایک رسم نیچے لٹک رہا تھا۔ تختے کو چلتے جہاز کے ساتھ لگانا بہت مشکل کام تھا۔ جہاز کی دیوار کے ساتھ ساتھ پیچھے کو پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ بار بار کوشش کے باوجود تھیوسانگ تختے کو جہاز کے ساتھ نہ لگا سکا۔ آخر اس نے تختے پر سے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا جہاز کے جھٹکے سے لٹکے ہوئے رستے تک پہنچ گیا۔ اس نے رستے کو اپنے قابو میں کر لیا اور تیزی سے جہاز کے اوپر چڑھ آیا۔ دن کی روشنی خوب نکلی ہوئی تھی۔ عرشے پر نہ آدم تھا نہ کوئی آدم زاد تھا۔ جہاز ڈولتا ڈولتا چلا جا رہا تھا۔ تھیوسانگ

لقابت طاری ہو رہی ہے۔ جسم سے جان نکلتی محسوس
ہو رہی ہے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین ہے کہ
صبح ہونے تک میں مر چکا ہوں گا۔
اس کے آگے لاگ ٹہک کا صفحہ خالی تھا۔

تھیوساگ نے لاگ ٹہک کو پیچھے سے پڑھا۔ یہ جہاز
شمالی افریقہ کی کسی بندرگاہ سے مال لے کر چلا تھا اور مالا
گاسی جا رہا تھا جس کا نام مڈغاسکر بھی ہے۔ تھیوساگ
نے لاگ ٹہک بند کر دی اور کیبن میں سے نکل کر
جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ کیونکہ نیچے سخت بو کی وجہ سے
وہ زیادہ دیر بٹھہر نہیں سکتا تھا۔ قدموں کی چاپ کا ایک
پراسرار معتمہ تھا جو تھیوساگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ یہ کس کے قدموں کی چاپ رات کو سناؤ دیتا ہے
کہ پھر صبح کو ایک ملاج مر جاتا تھا۔ اب وہ جہاز پر
چڑھ آیا تھا۔ واپس سمندر میں چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا
وہ سوچتے لگا کہ کیا اب بھی رات کو وہ پراسرار چاپ
سناؤ دے گی کہ نہیں؟ کیوں کہ جہاز کے عملے کو مر
کئی روز ہو گئے تھے۔ تھیوساگ نے ایک بار پھر جہاز
کی دوسری منزل میں جا کر تلاشی لی۔ جہاز میں گرم مالا
کی بوریوں بھری ہوئی تھیں۔ سب سے نچلی منزل پر

دیتوں کے تیل کے بڑے بڑے ٹکے ہی ٹکے نظر آ
رہے تھے۔ وہ اوپر آ گیا۔ کیونکہ یہاں بھی بو کی وجہ
سے دم گھٹ رہا تھا۔ اگرچہ تھیوساگ کا دم نہیں گھٹ
سکتا تھا لیکن تیز بو اس سے برداشت نہیں ہو رہی
تھی۔ وہ کپتان کے کیبن سے کمپاس اٹھا لایا تھا۔ عرشے
پر دھوپ میں آ کر اس نے کمپاس کو تنچے پر رکھ کر
دیکھا۔ جہاز کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا۔ اس کا
مطلب تھا کہ اگر جہاز شمالی افریقہ کی کسی بندرگاہ سے چلا
ہے تو شمال مغرب کی طرف وہ کسی نئے براعظم کی طرف
جا رہا ہے۔ اس براعظم کے بارے میں تھیوساگ کو
پورا علم تھا۔ یہ وہ براعظم تھا جو بعد میں شمالی امریکہ اور
جنوبی امریکہ بنا اور جہاں تھیوساگ نے عنبر ناگ کیٹی اور
ماریا کے ساتھ تیسری ایٹمی جنگ کی تباہی اپنی آنکھوں سے
دیکھی تھی۔ جب ساری دنیا تباہ ہو گئی تھی۔ وہ تو اس وقت
دنیا پر گذر چکے واقعات کے عکس میں آ گیا تھا جہاں وہی
واقعات ایک بار پھر دہرائے جا رہے تھے جو کچھ ایک بار ہو
چکا تھا دوسری بار پھر ہو رہا تھا۔ وہی دنیا تھی۔ وہ زمین،
ہی سمندر، وہی ستارے تھے اور تاریخ ایک بار پھر اپنے
آپ کو پورے واقعات اور حادثات کے ساتھ دہرا

رہی تھی۔ یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے کوئی کسی فلم کو دوبارہ
چلتے ہوئے دیکھے اور اس میں خود بھی شامل ہو جائے۔ اگر یہ
جہاز نے براعظم کی طرف جا رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ
یا تو شمال امریکہ میں یا شمالی برازیل کے کسی ساحل پر جا پہنچے گا
تھیوساٹک نے جہاز کے سامنے والے حصے میں کھڑے ہو کر
دور دیکھا۔ اسے سوائے سمندر کی ابھرتی ہوئی موجوں کے اور
کچھ نظر نہ آیا۔ یہ بحر اوقیانوس تھا جو ایک بہت وسیع سمندر تھا۔
جب شام ہو گئی تو تھیوساٹک کو پراسرار قدموں کی چاپ
کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا کہ اپنے قد کو چھوٹا کر کے کسی
جگہ عرشے پر چھپ جانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ آدھی رات
کو کس کے قدموں کی چاپ آتی ہے۔ رات کا اندھیرا سمندر
میں چادروں کی طرح پھیل گیا۔ ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ تھیوساٹک
نے اپنے جسم کے ساتھ انگلی لگائی۔ وہ اپنے انگوٹھے کے
برابر چھوٹا ہو گیا۔ وہ عرشے کے کونے میں جہاں موٹے موٹے
رستوں کا ڈھیر پڑا تھا چھپ کر بیٹھ گیا۔

رات گہری سے گہری ہوتی چلی گئی۔ ایک عجیب سی دھڑ
انجیر خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں لہروں کے جہاز سے نکلنے
کی ہلکی ہلکی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ یہ آواز بھی سمندر کی خاموشی
کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ رات گذرتی چلی گئی۔ تھیوساٹک خاموشی

پر کان لگاٹے رستوں کے درمیان چپ چاپ بیٹھا تھا۔ وہ
جہاز کے عرشے کو تک رہا تھا جو ستاروں کی پھسکی پھسکی روشنی
میں بالکل دیران تھا۔ رات نہ جلنے کتنی گذر چکی ہو گی کہ
اسے ایک آواز سنائی دی۔ تھیوساٹک کے کان کھڑے ہو
گئے۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی آہستہ آہستہ عرشے کے
تختوں پر چل رہا ہو۔ آواز جہاز کے سامنے والے رُش سے
اس کی طرف آ رہی تھی۔ جہاں تھیوساٹک رستوں کے ڈھیر
میں چھپا ہوا تھا وہاں قریب ہی جہاز کی چوٹی لگی تھی جسے
تھیوساٹک نے سمت کو درست رکھنے کے لئے دستی سے
باندھ دیا تھا۔

یہ قدموں کی چاپ تھی جو تھیوساٹک کی طرف آ رہی
تھی۔ تھیوساٹک نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اسے عرشے
پر کوئی انسان چلتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر اس کے
قدموں کی آواز برابر آ رہی تھی۔ یہ آواز بھاری بھر کم
جوتوں کی تھی جو عرشے کے ٹکڑی کے ننھے سے لگ کر
آواز پیدا کر رہے تھے۔ تھیوساٹک کے جسم میں ایک
سنسنی سی دوڑ گئی۔ خدا جلنے یہ کونسی بلا ہے جو اس کی
طرف بڑھی چل آ رہی ہے۔ تھیوساٹک نے ایسے موقعوں
پر کبھی حوصلہ نہیں اُرا تھا چنانچہ اب بھی وہ اپنے ہوش و

اس کو قابو میں رکھے ہوئے تھا۔ قدموں کی چاپ اس کے قریب آ کر ٹک گئی۔ پھر کسی نے ان دیکھے ہاتھوں سے چرخ کی رستی کھول دی۔ تھیوسانگ نے ستاروں کی دھندلی روشنی میں دیکھا کہ چرخ کی رستی اپنے آپ الگ ہو کر عرش پر گر پڑی اور جیسے کسی نے اسے آہستہ آہستہ ایک طرف گھماتا مشرور کر دیا تھیوسانگ کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس قدموں کی چاپ کا اس کے اپنے جسم پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑا تھا اور وہ اپنے ہوش و سواس میں تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ جہاز کا رخ چرخ گھمانے سے ذرا سا بائیں جانب کو ہو گیا ہے۔ پھر چرخ ایک جگہ ٹک گئی اور ان ہی ان دیکھے ہاتھوں نے چرخ کی رستی سے بانڈھ دیا۔ رستی اپنے آپ فرش پر اٹھ کر چرخ پر گئی اور اس کے گرد پٹنے لگی۔

اب ایک بار پھر بھاری قدموں کی پراسرار چاپ اس کے قریب سے گذر کر جہاز کے سامنے والے رخ کی طرف چلا گئی۔ جہاز کے عرش کے عین درمیان میں وہ زینہ تھا جو جہاز کی پچلی منزل کو جاتا تھا۔ اب اس نے ایسی آواز سنی جیسے کوئی زینہ اتر رہا ہے۔ تھیوسانگ رستے کے ڈھیر میں سے نکل کر عرش کے زینے کی طرف بڑھا۔ زینے کے قریب پہنچ کر وہ ٹک گیا اور کان لگا دیئے۔ قدموں کی چاپ

زینے میں نیچے اترتی جا رہی تھی۔ پھر آواز بند ہو گئی۔ شخص جہاز کی دوسری منزل میں جا چکا تھا۔

تھیوسانگ زینے کی چوکھٹ میں آ کر کونے سے لگ گیا اور نیچے جھانک کر دیکھا۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ کوئی آسیب ہے یا بھوت ہے یا کسی کی بدروح ہے کیا؟ آخر وہ اس جہاز پر ہر رات باتوں سے کیوں آتی ہے اور اس کی آواز پر طالع کیوں مرجھاتے تھے جب کہ تھیوسانگ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہ مود تھیوسانگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کوئی ایک منٹ تک وہ زینے کی چوکھٹ سے لگا رہا۔ پھر اسے قدموں کی چاپ اوپر آتی سنائی دی۔ تھیوسانگ بھاگ کر ایک بار پھر رستوں کے ڈھیر میں کود کر چھپ گیا۔ وہ رستوں کے اندر سے باہر دیکھ رہا تھا۔ کوئی انسان عرش پر نہیں تھا لیکن قدموں کی چاپ برابر سنائی دے رہی تھی۔ اب یوں محسوس ہوا جیسے یہ غیبی پراسرار انسان عرش پر بے چینی سے ٹھل رہا ہے۔ کبھی اس کے قدموں کی رفتار تیز اور کبھی ایک دم سے ہلکی ہو جاتی۔ پھر کبھی ٹک جاتی جیسے پراسرار غیبی شخص ٹک کر سمندر کی طرف دیکھ رہا ہو یا کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

تھیوسانگ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے آسمان پر

کسی بڑے پرندے کے پردوں کی پھر پھر اسٹ سٹانی دی۔
پھر پھر اسٹ بھانڈ کے عرشے پر آکر گر گئی۔ اب اسے
دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سٹانی دی۔ یہ آواز گہری
اور سٹاتی تھی۔

ایک آواز نے کہا:

اب ہمارا یہاں رہنا بے کار ہے۔ ہم نے جہاز کے
ٹکے سے بدل لے لیا ہے۔

دوسری آواز نے پوچھا:

کیا سب کے سب لوگ مر گئے ہیں؟

پہلی آواز نے کہا:

ہاں۔ نیچے ان سب کی لاشیں پڑی ہیں۔

دوسری آواز نے:- تو پھر اس جہاز کو سمندری چٹانوں
والے جزیرے کی طرف دھکیں دو تاکہ چٹانوں
سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ ہمارا انتقام اس
کے بعد پورا ہو جائے گا۔

پہلی آواز نے کہا:

میں اسے چٹانی جزیرے کی طرف دھکینے لگا ہوں
اس کے ساتھ ہی میں آؤں گا کہ تمہارے پاس آ
جاؤں گا اور ہم واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔

فورا ہی جہاز کو ایسے دھچکا لگا جیسے کسی نے سمندر
میں اسے زور سے ٹکرا دیا ہو۔ تھوڑا سا رستوں کے
اندر گر پڑا۔ وہ اٹھا تو دیکھا کہ جہاز طوفانی رفتار کے ساتھ
ایک طرف بہا چلا جا رہا تھا۔ یہ رفتار اتنی تیز تھی کہ
جہاز کے بادبان بھی اسے نہیں روک سکے تھے۔ تھوڑا سا
رستوں میں سے نکل کر دوسری طرف جھٹکے کے پاس جا
کر دیکھا۔ جہاز کسی تیز رفتار ریل گاڑی کی طرح سمندر میں اڑا
چلا جا رہا تھا۔ تھوڑا سا رستوں کو مضبوطی سے پکڑا۔
اب جو اس نے سر باہر نکال کر دیکھا تو سامنے ایک
جزیرے کی اونچی اونچی مخروطی چٹانیں جہاز کی طرف بڑھتی چلی
آ رہی تھیں۔ جہاز جزیرے کی ان ساحلی چٹانوں سے ٹکرانے
والا تھا۔ تھوڑا سا جانتا تھا کہ ایسی انسان جہاز کو دھکا دیکر
جا چکے ہوں گے پھر بھی وہ باہر نکل کر کوئی خطرہ مول لینا
نہیں چاہتا تھا۔ جہاز دیکھتے دیکھتے جزیرے کے ساحل پر پہنچ
گیا اور اس کا سچلا حصہ ایک چٹان سے جا کر ٹکرا گیا۔ دھماکہ
ہوا اور جہاز کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ تھوڑا سا اچھل کر
ساحل کی ریت پر جا گرا۔ اس نے اٹھتے ہی چاروں
طرف دیکھا۔ ہر طرف بھیاں بھیاں سناتا تھا۔ جزیرے پر
جیسے موت کی خاموشی کا راج تھا۔ ہر طرف لوکیں چٹانیں ہوں

جہاز کے کسی ٹوٹے پھوٹے تختے پر بیٹھ کر نکلنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ اس ویران جزیرے پر وہ کب تک رہ سکتا تھا۔ خدا خدا کر کے رات گزری اور مشرق میں سورج نکلا۔ چاروں طرف دن کی روشنی پھیلی تو تھیوسانگ چٹان پر سے اتر کر اس طرف آیا جہاں جہاز کا ٹوٹا پھوٹا اگلا حصہ ساحل پر چڑھ آیا تھا۔ تھیوسانگ کسی مضبوط اور صمغ سالم لکڑی کے ٹکڑے کی تلاش میں جہاز کے قریب آیا تو اسے جہاز کے پینڈے پر بالکل سامنے سے روشنی سی نکلتی نظر آئی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ وہ قریب گیا تو دیکھا کہ جہاز کے پینڈے پر اگلے حصے میں کالے رنگ کا ایک ناشپاتی کے سائز کا موتی جڑا ہوا ہے۔ اسے تعجب ہوا کہ یہاں اتنا بڑا سیاہ موتی کس نے لگا دیا۔ اور یہاں موتی لگانے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ تھیوسانگ نے موتی کو ہاتھ سے چھوا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے موتی آہستہ آہستہ دھڑک رہا ہے۔

اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ دوسری بار ہاتھ لگایا تو اسے پھر وہ ہلکی ہلکی انسانی دل کی دھڑکن سنائی دی۔ اب ایک حیرت انگیز بات ہوئی جس نے تھیوسانگ کو چونکا دیا۔ اسے عجیب اتفاق سے ناگ کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی تھی۔

تھیں۔ ان کے پیچھے درختوں کے جھنڈوں کی دو قطاریں اندھیرے میں نظر آ رہی تھیں۔

بادبانی جہاز کا آدھا پچھلا حصہ سمندر میں ڈوب چکا تھا۔ اس کا اگلا آدھا حصہ ساحل پر چڑھ آیا تھا اور ایک طرف کو جھک گیا تھا۔ تھیوسانگ کے لیے یہ ایک نئی مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ مگر وہ اس کے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ اس نے چٹانوں میں گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں سولے ان بدشکل ڈراؤنی چٹانوں اور زمین پر بکھرے ہوئے پتھروں کے اور کچھ نہیں تھا۔ دور درختوں کی قطاریں ضرور تھیں مگر تھیوسانگ نے سوچا کہ دن کی روشنی میں وہ اس طرف جا کر جائزہ لے گا۔ چنانچہ وہ چٹانوں سے نکل کر ساحل سمندر پر آ گیا اور جہاز کے ٹوٹے پھوٹے حصے کے قریب ہی ایک جگہ چٹان پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

یہ جزیرہ اسے کچھ زیادہ بڑھا نہیں لگتا تھا۔ اس کے سامنے ایک جانب تاریک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ پراسرار غیبی لہروں کا مہم آہستہ آہستہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اب اسے اس سے کوئی عمل کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ منے نے خود اسے ایک مہم بنا کر جزیرے پر پھینک دیا تھا۔ تھیوسانگ سوچنے لگا کہ رات گزر جائے تو وہ یہاں سے

تھیوسانگ تو ایک دم سے ہوشیار ہو گیا۔ ناگ کی خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟ اس نے اپنا منہ جہاز کے پیندے کے قریب کیا تو وہ دیکھ کر دنگ ہو کر رہ گیا کہ ناگ کی خوشبو سیاہ بڑے موتی میں سے آ رہی تھی۔ اس نے ناگ سیاہ موتی کے ساتھ لگا دی۔ ہاں۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ ناگ کی خوشبو اسی کالے موتی میں سے آ رہی تھی۔

یہ کیا راز ہے؟ کیا یہ ناگ کا موتی ہے؟ کیا یہ موتی ناگ کے پاس تھا جس کی وجہ سے اس میں اس کی خوشبو رچ بس گئی ہے؟ اے کیا معلوم کہ یہ ناگ کا موتی نہیں بلکہ خود ناگ تھا۔ جسے منگلا دیوی نے موتی کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔ ناگ نے بھی تھیوسانگ کو دیکھ لیا تھا اور وہ اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا کہ چلو تھیوسانگ سے اس کی ملاقات تو ہو گئی مگر ناگ صرف سن سکتا تھا۔ دیکھ سکتا تھا۔ محسوس کر سکتا تھا۔ وہ خود بول نہیں سکتا تھا۔ کوئی لفظ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ کی خواہش تھی کہ تھیوسانگ اسے جہاز کے پیندے سے اکھاڑ کر اپنے پاس رکھ لے۔

تھیوسانگ نے بھی ایسا ہی کیا۔ چونکہ اسے سیاہ موتی میں سے ناگ کی خوشبو آ رہی تھی اس لیے اس نے اسے

پیندے کی کڑی میں سے اکھاڑ لیا۔ اب اس نے جہاز سے کالے موتی کو دیکھا۔ اسے سونگھا۔ موتی کے اندر سے ناگ کی خوشبو باقاعدہ آ رہی تھی۔ اس نے بے اختیار کہا: "ناگ! کہیں تم اس کے اندر تو نہیں ہو؟" ناگ نے دل میں کہا:

ہاں تھیوسانگ! میں ناگ ہوں۔ میں اس کے اندر نہیں ہوں بلکہ میں خود موتی بن گیا ہوں۔

مگر ناگ کی آواز تھیوسانگ نہیں سن سکتا تھا۔ تھیوسانگ نے ناگ کے سیاہ موتی کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور لکڑی کا کوئی بڑا سا تختہ تلاش کرنے لگا جس پر بیٹھ کر وہ سمندر میں سفر کر سکے۔ جہاز چٹانوں سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا اور اس کا کوئی بھی حصہ سلامت نہیں تھا۔ چٹانوں کے درمیان ساحل پر لکڑی کے بے شمار چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ تھیوسانگ نے یہی سوچا کہ وہ کسی طریقے سے جہاز کے اگلے حصے کو توڑ کر اس کا ایک تختہ بنائے۔ مگر سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ جہاز کے پیندے کو کالے کیسے؟ اس کے پاس کوئی آری یا تیشہ تو تھا نہیں۔ ناامید سا ہو کر وہ ان درختوں کی طرف چل پڑا جن کی قطاریں اسے رات کو دور نظر آتی تھیں۔ یہ

درخت کافی گئے تھے اور سیاہ بادلوں کی طرف جزیرے
کے ایک حصے پر جنگل کے اوپر پھیلے ہوئے تھے۔ ناگ
کا سیاہ موتی اس کی جیب میں تھا اور وہ بڑے غور
سے ایک ایک چیز کو دیکھتا درختوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔
پٹانیں ختم ہوئیں تو درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔



اسیبی چیخ

درخت ساتھ ساتھ اُگے ہوئے تھے۔

اوپر جا کر آپس میں گھل مل گئے تھے جس کی وجہ سے
ایک چھت پڑ گئی تھی۔ سائے میں ہلکا ہلکا اندھیرا اور خشکی
تھی۔ سمندر کی طرف سے ہوا چل رہی تھی۔ درختوں کے نیچے
چھوٹے چھوٹے بے شمار پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ کس کس جنگلی
جیونیشوں نے مخروطی گھر بنا رکھے تھے۔ ایک جگہ چٹان کے
پیچھے گہرائی میں گرم پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس میں سے
بھاپ اٹھ رہی تھی۔ تھیوسانگ چٹنے پر گیا۔ اس میں ہاتھ ڈالا۔
پانی گرم تھا مگر قابل برداشت تھا۔ تھیوسانگ نے ہاتھ منہ
دھوئے۔ پھر اوپر چٹان کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا اور جیب
میں سے موتی کو نکال کر بار بار سونگھنے لگا۔ کالا موتی ناچاتی
کے برابر تھا اور اس میں سے ناگ کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی
تھی۔ تھیوسانگ نے موتی کو دوبارہ جیب میں رکھ لیا اور
سوچنے لگا کہ اس جزیرے سے کیسے نکلا جاسکتا ہے۔ اس

کی سمجھ میں ایک ہی ترکیب آ رہی تھی کہ درختوں کی شاخوں کو توڑ کر انہیں آپس میں جوڑ کر شاخوں ہی سے بانڈے اور سمندر میں ڈال کر اللہ کا نام لے کر نکل پڑے۔ کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائے گا۔ تھیوساٹک کو پورا یقین تھا کہ شمال مغرب کی طرف جنوبی امریکہ کا براعظم مل جائے گا اور وہ برازیل یا ارجنٹائن کے ملکوں میں سے کسی ایک میں پہنچ جائے گا۔

تھیوساٹک نے اس خیال سے درختوں کی طرف دیکھا۔ ان کی ٹہنیاں کافی لمبی لمبی تھیں مگر درختوں کے تنے بہت اونچے تھے اور ٹہنیوں کا سلسلہ بہت بلندی پر جا کر شروع ہوتا تھا۔ نوکیلی چٹانوں والے جزیرے میں موت لیا سٹا تھا۔ دور نے کبھی کبھی سمندری لہروں کے چٹانوں سے ٹکرانے کی آواز آ جاتی تھی۔ تھیوساٹک اپنے خیالات میں ڈوبا یہی سوچتا رہا کہ اس جزیرے سے کیسے باہر نکلے اور سیاہ موتی میں سے ناگ کی خوشبو آنے کا معرہ کیسے حل کرے۔ دن گذرتا چلا گیا۔ جب وہ اپنے خیالات سے چونکا تو آسمان پر بادلوں میں گرج پیدا ہوئی۔ وہ درختوں میں سے نکل کر چٹانوں کے پاس آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی اور

ہلکی بوندا باندی بھی ہونے لگی تھی۔ تھیوساٹک نے سمندر کی طرف نگاہ ڈالی۔ دور سمندر میں جہاں آسمان مل رہا تھا۔ سیاہ گھٹائیں اوپر کو بے زنجیر ہاتھیوں کی طرح دوڑتی چلی آ رہی تھیں۔ تھیوساٹک کو معلوم تھا کہ سمندری جزیروں کی بارش بڑی خوفناک ہوتی ہے اور اسے بچاؤ کے لئے ابھی سے کوئی ٹھکانہ تلاش کر لینا چاہیے۔ ہوا تیز ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے اس نے آندھی کی شکل اختیار کر لی۔ درخت ہوا کے پتھروں میں جھومنے لگے تھے۔ تھیوساٹک چٹانوں میں چھپنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔

آخر اسے سمندر کے رُخ پر زمین سے بلند ایک چٹان کے اندر ایک شکاف مل گیا۔ یہ شکاف ایک چھوٹے سے غار کی طرح تھا۔ چونکہ وہ سمندر کے رُخ پر تھا اس لیے ہوا سیدھی اندر داخل ہو رہی تھی۔ تھیوساٹک ادھر ادھر پڑے دو چار بڑے پتھروں کو لٹھکھا کر وہاں تک لایا اور انہیں غار کے منہ پر اس طرح ڈال دیا کہ وہ اُدھا ٹھک گیا۔ تھیوساٹک غار میں پتھروں کی اورٹا میں ہو کر بیٹھ گیا۔ غار کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ سمندری لہریں ساحل کے پتھروں سے زبردست شور کے ساتھ سر پہنچ رہی تھیں۔ پھر بدست شراں ہو گئی۔

جسم کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی چیخ۔ تھیوسانگ میں
اگرچہ عام انسانوں کے مقابلے میں زیادہ جرات اور ہمت نہ
ہوتی تو وہ خوف کے مارے بے ہوش ہو جاتا۔ وہ خلائی
انسان تھا اور جن بھوتوں، چڑیلوں اور آسیب پر بھی یقین
نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس چیخ کے راز کو معلوم
کرنے کا فیصلہ کیا اور چٹان کے غار سے اتر کر جنگل میں اس
طرف چلنے لگا جدھر سے آواز آئی تھی۔

بارش کی وجہ سے زمین گیلی ہو رہی تھی۔ جگہ جگہ پانی
کھڑا تھا۔ درختوں کی ٹوٹی ہوئی شاخیں بکری پڑی تھیں۔ کئی
درخت بھی جڑوں سے اکھڑ کر گرے ہوئے تھے۔ چاند کی
دھیمی زرد روشنی درختوں کے گھنے سایوں سے مل کر پراسرار
ہو گئی تھی۔ کسی وقت کوئی بادل کا ٹکڑا چاند کے آگے آ
جاتا تو جنگل میں ایک دم سے اندھیرا چھا جاتا۔ تھیوسانگ
بھونک بھونک کر قدم اٹھاتا چل رہا تھا۔ چند قدم چل کر
وہ ٹوک جاتا اور دھڑ دھڑ دیکھتا اور پھر آگے چل پڑتا۔ آواز
پھر نہیں آئی تھی۔ تھیوسانگ درختوں کے نیچے اس جگہ آ
گیا تھا جہاں چٹان کے پیچھے نیم گرم پانی کا چشمہ بہ رہا
تھا۔ یہاں اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی زمین پر
گری ہوئی درختوں کی شاخوں پر پاؤں رکھ کر گدردا ہو۔

آدھی رات تک تیز ہواؤں اور بارش کا طوفان جاری
رہا۔ اس نے سارے جزیرے کو ہلا کر رکھ دیا۔ کئی درخت
جڑوں سے اکھڑ کر گر گئے۔ ساری رات ان کے گرنے کی
آوازیں آتی رہیں۔ آدھی رات کے بعد طوفان ختم گیا۔ بارش
بھی رک گئی۔ بادل پھٹ گئے اور چاند نکل آیا۔ تھیوسانگ
نے غار میں سے باہر نکل کر دیکھا کہ چاند کی دھندلی روشنی میں
جزیرے کا ماحول پہلے سے زیادہ پراسرار ہو رہا تھا۔ سمندر
کی طرف سے کھڑے کی لہر آ کر جنگل میں درختوں سے لپٹتی
ہوئی گزر رہی تھی۔ ایک ایسی آسیبی خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ لگتا
تھا جیسے جزیرے پر خاموش روحوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس وقت
ایسی خاموشی میں اچانک تھیوسانگ کو جنگل کے درختوں کی
طرف سے ایک چیخ بنا آواز بلند ہوتی سنائی دی۔ تھیوسانگ
اس آواز کو سن کر اپنی جگہ سے ذرا پیچھے ہٹ گیا۔

یہ آواز کسی عورت کی تھی۔ یہ کسی چیخ سے بھی ملتی جلتی
تھی اور ایسی بھی تھی جیسے عورت کسی کو پکار رہی ہو
تھیوسانگ بڑا حیران ہوا کہ یہ عورت اس ویران سنان
جزیرے میں کہاں سے آگئی؟ کہیں یہ کوئی چڑیل تو نہیں
ہے؟ آواز ایک بار پھر بلند ہوئی۔ آواز دُور سے آ رہی
تھی۔ یہ کسی چیخ سے ملتی جلتی آواز تھی۔ ایک آسیبی چیخ۔

کون ہے اور یہاں کیسے آگئی ہے؟ کیا یہ واقعی کون
انسان ہے یا جن بھوت ہے؟

تھیوسانگ کے پاؤں کے نیچے سے ایک پتھر پھسل کر
رہسک گیا۔ اس سے اگرچہ ہلکی سی آواز پیدا ہوئی تھی مگر وہ
عورت نہلتے نہلتے ایک دم سے رُک گئی۔ پھر اس کے
حلق سے ایک چیخ کی آواز نکلی اور چتر میں سے باہر آکر
درختوں میں ایک طرف بھاگ گئی۔ تھیوسانگ کچھ دیر تو اپنی
جگہ پر ساکت سا ہو کر بیٹھا اسے درختوں کے اندھیرے میں
غائب ہوتے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا اور جدھر وہ عورت گئی تھی
اس طرف چل پڑا۔

وہ اس پر اسرار وحشی عورت یا ایسی پھلاوے کا پیچھا
کر کے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ اصل میں کون ہے تھیوسانگ
درختوں کے پیچھے سے ہو کر اسی طرف جا رہا تھا۔ جدھر وہ
جنگلی عورت گئی تھی۔ جنگل خاموش تھا۔ چاند اب بادلوں
کے پیچھے آگیا تھا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ پھر بھی
تھیوسانگ اس اندھیرے میں دیکھ سکتا تھا۔ جنگل ایک جگہ
بہت ہی گھٹنا ہو گیا۔ یہاں تھیوسانگ نے اندھیرے میں درخت
کے نیچے ایک ایسی ابھری ہوئی جگہ دیکھی جیسے کسی نے اپنے
رہنے کے لئے درخت کی شاخوں سے جھونپڑی ڈال رکھی ہو

تھیوسانگ جلدی سے چٹان کے پیچھے ہو گیا۔
چلنے کی آواز چٹان کے عقب میں سے آ رہی تھی۔
اسی عورت کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی۔ یہ آواز اس
دفعہ دبی دبی چیخ سے ملتی جلتی تھی۔ تھیوسانگ نے گردن
دوسری طرف نکال کر دیکھا۔ چاند بادل سے نکل رہا تھا۔ اس
کی دھندلی پھلکی زرد روشنی میں تھیوسانگ نے ایک ایسی
عورت کو دیکھا جس کے بال پیچھے کھلے ہوئے ٹھک رہے
تھے اور اس کے زرد جسم پر پتوں کا لباس تھا۔ وہ کسی بھی
ہوئی بہرنی کی طرح ادھر ادھر دیکھتی نیم گرم پانی کے چٹے
کی طرف چل آ رہی تھی۔ چٹے کے کنارے پر آ کر وہ
اس کے کنارے پر اس طرح لیٹ گئی کہ اس کا منہ پانی
کے ساتھ لگا تھا۔ وہ جانوروں کی طرح نیم گرم پانی پینے
لگی۔ تھوڑا سا پانی پی کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ گردن کو گھما
کر چاروں طرف دیکھا جیسے اسے شک پڑ گیا ہو کہ کوئی
وہاں موجود ہے۔ چند لمحوں تک وہ چپ چاپ کھڑی رہی
پھر نیم گرم پانی کے چٹے میں اتر گئی اور پانی میں کانڈھلا
ٹھک بیٹھ گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے پانی اپنے جسم اور
منہ پر ڈال کر مٹا رہی تھی۔ تھیوسانگ چٹان کے پیچھے چھپا
یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ عورت

وہ دبے پاؤں چلتا اس جھونپڑی کے پاس آ گیا۔ یہ ایک
 جھونپڑی سی جھونپڑی تھی جس کی چھت درخت کی ٹہنیوں کو
 کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ تھیوسانگ نے جبک کر اندر دیکھا
 جھونپڑی خالی تھی۔ اس کے فرش پر بھی درختوں کے پتے
 بکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف کچھ جنگلی پھل دکھتے تھے۔
 سمجھ گیا کہ جنگلی عورت اسی جھونپڑی میں رہتی ہے۔ مگر وہ
 یہاں نہیں آئی تھی۔ شاید کسی دوسری جگہ چلی گئی تھی کہ کوئی
 اس کا پیچھا کر کے وہاں اسے پکڑ نہ لے۔ اس سے ظاہر ہو
 گیا کہ یہ عورت چارل نہیں بلکہ انسان ہے جو دوسرے انسان
 سے ڈر کر بھاگ رہی ہے۔

چند لمحے تھیوسانگ وہاں رکا رہا۔ پھر جھونپڑی کے پیچھے
 کی طرف جو جنگلی کیلے کے درخت تھے وہاں آ گیا۔ اندر
 میں کیلے کے درختوں پر زرد کیلوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔
 تھیوسانگ ان کے قریب سے ہو کر جھکا جھکا آگے نکل گیا۔
 ان درختوں کی دوسری جانب اونچی اونچی گھاس اُگی تھی۔ یہ
 گھاس اتنی اونچی تھی کہ تھیوسانگ اس میں چھپ سکتا تھا۔
 گھاس میں جانے کی ضرورت نہ سمجھی اور وہیں سے واپس
 اپنے چٹان والی غار کی طرف چل پڑا کہ دن کے وقت
 یہاں آئے گا۔

واپس پر بھی جھونپڑی خالی تھی اور سارا رستہ اسے وہ
 عورت نہ ملی۔ نہ ہی اسے دوبارہ اس کی چیخ سنائی دی۔
 اپنی غار کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ رات گذرتی چلی گئی۔ جب
 صبح کی ہلکی ہلکی روشنی نے جنگل کو ظاہر کر دیا تو تھیوسانگ
 نے دیکھا کہ ایک بڑی کشتی سمندر میں جزیرے کی اس طرف
 چلی آ رہی ہے جہاں وہ چٹان والی غار میں چھپا ہوا تھا۔
 تھیوسانگ اس کشتی کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسے خوشی ہوئی
 کہ کوئی انسان کشتی لے کر جزیرے پر تو آیا۔ اب
 اس کے وہاں سے نکل چلنے کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن کشتی
 اس کے ساحل کی جانب آتے آتے دوسری طرف گھوم گئی۔
 جب تک تھیوسانگ غار میں سے نکل کر چٹانوں میں سے ہو کر
 ساحل پر پہنچا کشتی جزیرے کا موڑ گھوم کر اس کی نظروں سے
 اوجھل ہو چکی تھی۔ تھیوسانگ نے فیصلہ کیا کہ وہ جنگل کے
 اندر سے ہو کر جزیرے کی دوسری جانب جا کر دیکھے گا کہ یہ
 لوگ کون ہیں اور انہوں نے اپنی کشتی کس جگہ کھڑی کی ہے
 اور یہ اس جزیرے میں کیا کرتے آئے ہیں؟

ویلے تھیوسانگ جانتا تھا کہ اس قسم کے جزیروں میں
 اکثر بحری ڈاکو اپنا خزانہ چھپانے یا قیمتی پتھروں کی تلاش میں
 آتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ آدمی بھی اسی قسم کے

گھنے تک بھٹکتے پھرنے کے بعد آخر تھیوسانگ کو وہ مخدومی
چٹان دور سے نظر آگئی یہاں اس کا چھوٹا سا غار تھا۔ وہ
پتھروں میں سے ہوتا ہوا اپنے غار میں آ کر بیٹھ گیا۔ گہرا
سانس لے کر اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہیں اپنی
جگہ پر پہنچ گیا تھا۔

دن کا پہلا پہر گزر گیا تھا۔ آسمان پر بادل تھے جس
کی وجہ سے دھوپ نہیں نکلی ہوئی تھی۔ لیکن بارش ہونے
کے ابھی کوئی آثار نہیں تھے۔ تھیوسانگ حیران تھا کہ جو
آدمی کشتی لے کر جزیرے کی طرف آئے تھے۔ وہ کہاں غائب
ہو گئے ہیں۔ کہیں وہ جزیرے کا چکر لگا کر واپس اپنے جہاز
پر تو نہیں چلے گئے جو دور سمندر میں کھڑا ہو گا۔ تھیوسانگ
چٹان کے اوپر چڑھ گیا۔ اس نے دیکھا سامنے سمندر میں
دور تک کوئی جہاز نہیں تھا۔ پیچھے کی جانب گئے درختوں
کی وجہ سے اسے سمندر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہو
سکتا ہے ادھر کوئی جہاز کھڑا ہو۔ تھیوسانگ نے ایک بار
پھر اس طرف جانے کا فیصلہ کیا اور وہ غار سے نیچے اترنے
کا دالا تھا کہ اسے دور سے ایسی آواز آئی سان دی
جیسے کسی نے کسی کو زور سے آواز دی ہو۔ تھیوسانگ
غار میں ایک طرف ہو کر درختوں کی طرف دیکھنے لگا۔

لوگ ہوں۔ بہر حال تھیوسانگ ان پر یہی ظاہر کرے گا کہ
طوفان میں اس کا جہاز غرق ہو گیا تھا اور وہ جان بچا کر
اس جزیرے پر آ گیا اور اب واپس جانا چاہتا ہے۔ وہ
کسی بھی طرح ناگ والا سیاہ موتی لے کر اس جزیرے
سے نکل جانا چاہتا تھا۔ جنگل کے گھنے درختوں میں سے
دن کی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ فضا میں رات کی بارش
کی وجہ سے جس ہو رہا تھا۔ درختوں پر کوئی پرندہ نہیں بل
ہو رہا تھا۔

زمین سے اتنی دور تھا کہ یہاں تک پرندے بھی نہیں
پہنچ سکتے تھے۔

اب ایسا ہوا کہ دن کی روشنی میں چلتے چلتے تھیوسانگ
راستے سے بھٹک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
وہ کس طرف جا رہا ہے۔ نئے نئے درخت آ رہے تھے۔
وحشی سورت کی جھونپڑی بھی نہیں آئی تھی۔ تھیوسانگ کافی
دیر تک درختوں کے جنگل میں بھٹکتا رہا۔ آخر بڑی مشکل
سے وہ ان درختوں سے نکلا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ جزیرے
کے شمال کی جانب آ گیا ہے جہاں چٹانیں سمندر کے اندر
تک پھیل گئی تھیں۔ اس نے جنوب مغرب کی طرف چند گز
کی۔ کیوں کہ اس کی غار جنوب کی طرف ہی تھی۔ کوئی ایک

ب سے عورت کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ عورت کی دہی
پینچ رہی تھی جو اس نے پہلے بھی رات کو سنی تھی۔ عورت بار
بار پینچ رہی تھی اور ساتھ کسی مرد کی ایسی آوازیں بھی آ
رہی تھیں جیسے وہ اسے گالیاں دے رہا ہو۔ پھر وہ تین
مردوں کے قہقہے لگانے کی آواز گونج اُٹھی۔

اتنے میں درختوں میں سے وہی لوگ نظر آئے جن کا
تھیوسانگ نے کشتی میں آتے دیکھا تھا۔ ان کے لباس برازیلی
در پرتگالی تھے۔ مردوں پر انہوں نے بھری ڈاکوؤں ایسی نیلی
لوپیاں پہن رکھی تھیں۔ کمر کے ساتھ تلواریں لٹک رہی تھیں
یہ تین آدمی تھے اور اسی عورت کو گھیسٹے ہوئے لیے چلے
آ رہے تھے جس کو تھیوسانگ نے رات چٹنے پر نہاتے
دیکھا تھا۔ اس کے سیاہ بال کھلے تھے اور جسم پر درخت
کے پتوں کا لباس تھا۔ وہ پیچھے کو جانے کی کوشش کر
رہی تھی اور اپنے آپ کو مردوں کی گرفت سے چڑا رہی تھی
اور بار بار پینچ رہی تھی۔

ایک آدمی نے عورت کے منہ پر اتنی زور سے ہاتھ مارا
کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس نے عورت کو کاڈھ کر
ڈال دیا اور وہ سمندر کے ساحل کی طرف بڑھنے لگی
تھیوسانگ کو محسوس ہوا کہ اس عورت کو ان ظالموں نے

بچاؤ اس کا اخلاقی فرض ہے۔ کیونکہ وہ عورت ان آدمیوں
کے ساتھ نہیں جانا چاہتی اور یہ اسے زبردستی ساتھ لے
کر کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ سوشل کر تھیوسانگ غار
میں سے دوسری طرف کو اتر گیا اور ایسی جگہ ایک درخت
کے پیچھے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے اس کے اندر
کے مطابق ان آدمیوں کو جنگلی عورت کو لے کر گزرتا تھا۔

تھیوسانگ بڑے غور سے درختوں کے درمیان سے گزرتے
راتے کو تک رہا تھا۔ اسے تینوں برازیلی بے نش جنگلی
عورت کو کاڈھے پر اٹھائے آتے نظر آئے۔ تھیوسانگ نے
گھات لگا لی۔ جب وہ تینوں اس کے قریب سے گزر
گئے تو تھیوسانگ گھات میں سے باہر نکل آیا اور اس نے
ایک پر حملہ کر دیا۔ وہ اس کے اوپر جا گرا۔ دوسرے نے
تواریں نکال کر تھیوسانگ پر حملہ کرنا چاہا۔ تو اس نے اچھل کر
دوسرے برازیلی کو ٹانگوں سے پکڑ کر گرایا اور اسے انگلی
سے چھو کر انگوٹھے جتنے سائز کا بنا دیا۔ تیسرے برازیلی
نے بے ہوش جنگلی عورت کو زمین پر رکھا کہ تھیوسانگ کو
تواریں کے دار سے ٹھکانے لگا دے کہ تھیوسانگ نے اس پر
تھیوسانگ لگا دی اور اسے دوسری طرف گرا دیا۔ یہ تیسرا
برازیلی بھی چند سیکنڈ بعد انگوٹھے جتنے سائز ہو کر گھاس میں

چوہے کی طرح ادھر ادھر پھدک رہا تھا۔ آخری برازیلی نے
یہی سمجھا کہ اس کے سامنے اس آدمی نے طلسم کے زور سے
غائب کر دیئے ہیں۔ وہ سخت زودہ ہو کر دوڑا۔ مگر تھیوسانگ
اسے کب چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ تیسرا بھی انگوٹھے کے سائز
کابین کر گھاس میں ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ تھیوسانگ نے
ان تینوں انگوٹھے جتنے سائز کے برازیلی بد معاشوں کو ایک
دستی سے آپس میں بانڈھ کر چھوڑ دیا پھر اس نے بے ہوش
جنگلی عورت کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور درختوں میں
سے گزر کر اپنی چٹانی غار کی طرف چل پڑا۔ غار میں آکر اس
نے وحشی عورت کو زمین پر لٹا دیا اور اسے ہوش میں
لانے کی کوشش کرنے لگا۔ کھوڑی تھی دیر بعد عورت کو
ہوش آ گیا۔ اس نے اپنے سامنے ایک اجنبی مرد کو دیکھا
تو چیخ مار کر باہر کو دوڑنے لگی۔ تھیوسانگ نے اسے قابو
میں کرتے ہوئے کہا:

”بھاگو نہیں۔ میں تمہارا بہرہ دہوں۔“

وحشی عورت نے برازیلی زبان میں کہا:

”تم مجھے مار ڈالو گے۔“

تھیوسانگ سمجھ گیا کہ یہ عورت برازیلی کی رہنے والی
ہے جنگلی عورت نہیں ہے اور اس پر کسی ایسے شخص کا

خوف سوار ہے جو اسے مار ڈالنا چاہتا ہو گا۔ تھیوسانگ نے
برازیلی زبان ہی میں اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ یہاں
اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھے۔

میں تمہارا بھائی ہوں۔
بھائی کا لفظ سن کر عورت نے عجیب معصوم نظروں
سے تھیوسانگ کو دیکھا اور ان آدمیوں کے بارے میں
پوچھا جو اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔
تھیوسانگ نے اسے بتایا کہ ان آدمیوں کو بھگا دیا
گیا ہے۔

”تم کون ہو بہن اور اس ویران جزیرے کے
جنگل میں اکیلی کیوں رہتی ہو؟“
جنگلی عورت نے کہا:

”میرا نام پالی ہے۔ ہمارا گھر برازیل کی بندر گاہ
ڈی جینز سے دور ایک پہاڑی کے دامن میں
تھا۔ وہاں میری بڑی جائیداد بھی تھی۔ میرا چچا
اس جائیداد پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ اس نے
مجھے اور میرے خاندان کو ہلاک کرنے کی سازش
کی لیکن ہم دونوں ایک رات جان بچا کر بھاگ
گئے۔ ہم نے ایک کشتی لی اور اس میں سوار ہو کر

سمندر میں نکل کھڑے ہوئے۔ خیال تھا کہ کسی جزیرے پر جا کر باقی زندگی امن سکون سے بسر کریں گے۔ لیکن راستے میں طوفان آ گیا۔ میرا خاوند سمندر میں ڈوب گیا اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر اس جزیرے پر پہنچ گئی۔ میں دو سال سے اس جزیرے میں رہ رہی ہوں۔ نہ مردوں میں ہوں نہ زندوں میں۔ ایک عرصے بعد شاید رات کو مہتیں ہی دیکھا تھا کہ ڈر کر بھاگ گئی۔ میں ایک کھوہ میں چھپی ہوئی تھی کہ تین ڈاکوؤں نے مجھے اغوا کر لیا اور تم نے مجھے ان سے چھڑا دیا۔ بس یہ ہے میری المناک کہانی۔

وحشی عورت خاموش ہو گئی۔ اس نے سر جھکا دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تھیوسانگ نے اسے حوصلہ دیا اور بھر اپنے بارے میں بتایا کہ میرا جہاز بھی سمندری طوفان میں گر تباہ ہو گیا۔ سارے مسافر مارے گئے۔ میں ایک تختے تا اس جزیرہ پر پہنچ گیا۔

تم حوصلہ رکھو پالی میں مہتیں یہاں سے نکال کر ہمارے گھر پہنچانے کی کوشش کروں گا۔

پالی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا:

میں اپنے گھر گئی تو میرا ظالم چچا مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔
تھیوسانگ نے کہا:
تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ میں تمہارا بھائی ہوں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ اگر تمہارے چچا نے مہتیں ذرا بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

جنگلی عورت پالی کو ان الفاظ سے بہت حوصلہ ہوا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے مصیبت میں اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اسے تھیوسانگ کی صورت میں اپنا ایک ایسا بھائی مل گیا تھا جو اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دے سکتا تھا۔ پالی نے تھیوسانگ کا ہاتھ چوم لیا اور بولی:

میرے بھائی تھیوسانگ! میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ تم نے میرے دل میں زندہ رہنے کی امید کو پھر سے زندہ کر دیا ہے۔
تھیوسانگ نے کہا:

تمہارے خیال میں ہم یہاں کوئی کشتی بنا سکتے ہیں پالی؟

پالی بولی: میرے پاس کوئی ایسا اوزار نہیں جس

مجھے امید نہیں ہے۔ پالی نے کہا۔
تھیوسانگ نے کہا:

ہمیں کوشش مزور کر کے دیکھ لینی چاہیے۔
اور وہ ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ چلتے چلتے وہ
دوپہر کے وقت جزیرے کے مشرقی ساحل پر پہنچے تو انہیں
ساحل پر ایک کشتی نظر آئی۔
پالی نے خوش ہو کر کہا:
"وہ دیکھو کشتی!"

تھیوسانگ نے پالی کو ایک دم سے نیچے بٹھا لیا اور
آہستہ سے بولا:

"اس میں ایک آدمی سوار ہے۔"

پالی کو وہ آدمی دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ کشتی کی دوسری
طرف بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ شاید اسے اپنے ان ساتھیوں
کا انتظار تھا جن کو تھیوسانگ نے چھوٹے سائز کا بنا کر
ایک جگہ باندھ دیا تھا۔ تھیوسانگ نے پالی کو وہیں ٹھہرنے
کو کہا اور خود کشتی کی طرف بڑھا۔ وہ جھاڑیوں اور درختوں
کے پیچھے سے ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ قریب جا کر اس
نے دیکھا کہ کشتی کے پاس جو آدمی ٹہل رہا تھا اس کی کمر کے
ساتھ تلوار لٹک رہی تھی۔ تھیوسانگ اگر اس پر اپنا ہتھکڑی

سے ہم درخت کو کاٹ کر کشتی تیار کر سکیں ہمیں
ان بدعاشوں کی کشتی پر قبضہ کر لینا چاہیے جن کو
تم نے بھگا دیا ہے مگر تمہیں بھگانا نہیں چاہیے تھا
انہیں۔ وہ تو اب تک کشتی لے کر روفو پکڑ ہو چکے
ہوں گے۔

اب تھیوسانگ کو ان کی کشتی کا خیال آ گیا۔ وہ تو بھول
ہی گیا تھا۔ اس نے پالی کو ساتھ لیا اور دونوں دوڑتے
ہوئے سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔

پالی نے کہا:

سمندر کا کنارہ خالی ہے۔ تمہیں انہیں بھگانا نہیں چاہیے
تھا۔ انہیں مار ڈالتے پھر ہم ان کی کشتی قبضے میں لے
سکتے تھے۔ اب تو وہ اس میں بیٹھ کر یہاں سے فرار
ہو چکے ہوں گے۔

لیکن تھیوسانگ جانتا تھا کہ اس نے قینوں ڈاکوؤں کو
نئے نئے چوہے بنا دیا ہوا ہے اور وہ کشتی میں سوار ہو
نہیں سکتے۔

تھیوسانگ نے کہا:

چل کر دیکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ساحل پر کسی جگہ
ان کی کشتی ابھی تک موجود ہو۔

کے گچھے اور رستی میں پردہ ہوا سوکھی چھیلیوں کے بار
پڑے تھے۔ تھیوساگ نے چوپا پانی میں ڈالے اور کشتی کو
کھینچا ہوا سمندر میں آگے لے گیا۔ متوڑی دور جانے کے
بعد سمندری موجوں نے کشتی کو اپنے آپ آگے کی طرف
دھکیلا شروع کر دیا۔ بحر اوقیانوس کے پانیوں میں تین
دن تک سفر کرنے کے بعد تھیوساگ اور پالی کو آخر دور
زمین کا کنارہ نظر آ گیا۔ تھیوساگ تیزی سے چوپا چلانے
لگا۔ سورج غروب ہو رہا تھا کہ وہ ساحل پر پہنچ گئے۔
یہ ایک ویران ساحل تھا۔ کوئی آبادی نظر نہیں آتی تھی۔
کچھ دیر ساحل کی ریت پر آرام کرنے کے بعد تھیوساگ
اور پالی ایک طرف روانہ ہو گئے۔ پالی نے زمین اور دور
درختوں کو دیکھ کر بتا دیا کہ یہ برازیل ہی کا ملک ہے۔
ات ہونے سے پہلے انہیں دور ایک گاؤں نظر پڑا۔

پالی نے کہا:

”سب سے پہلے مجھے کپڑوں کی ضرورت ہے۔ یہ
پتوں کا لباس اب میں زیادہ دیر نہیں پہن سکتی۔
تھیوساگ بولا: ”تو پھر تم اسی جگہ ٹھہر دو
گاؤں میں جا کر تمہارے لیے کپڑے لانے کی
کوشش کرتا ہوں۔“

کر دے تو وہ تتوار نہیں نکال سکے گا۔ یہ سوچ کر تھیوساگ
دوسری طرف سے نکل کر اچانک سامنے آ گیا اور اس نے
اچھل کر اپنے آپ کو آدمی پر گرا دیا۔ تھیوساگ کے لئے
اتنی ہمت ہی کافی تھی۔ دوسرے لمحے وہ آدمی بھی اپنے
انگوٹھے کے سائز کا بن چکا تھا اور چیرانی سے ایک طرف
گھاس کے خوشوں میں کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے آپ
کو سمجھ رہا تھا۔ تھیوساگ نے اسے اٹھا کر ایک درخت
کی طرف لڑھکا دیا اور پالی کو آواز دے کر بلایا۔ پالی
جھاگ کر آگئی اور آدمی کے بارے میں پوچھنے لگی کہ وہ
کہاں چلا گیا ہے؟

تھیوساگ نے کہا:

”میں نے اسے جھگکا دیا ہے۔ چلو جلدی کرو کشتی
میں سوار ہو جاؤ۔“

پالی نے کشتی میں اترتے ہوئے کہا:

”تھیوساگ! اس کشتی میں پانی بھی ہے اور کھانے
پینے کی چیزیں بھی موجود ہیں۔“
تھیوساگ نے کہا:

”تو بڑی اچھی بات ہے۔“

کشتی میں بیٹھے پانی سے بھرا ہوا ایک مٹکا اور کیلے

گاؤں میں چراغ روشن ہو گئے تھے۔ ایک کتا تھیوسانگ کو دیکھ کر بھونکا۔ مکان میں سے ایک نوجوان لڑکی باہر آ گئی۔ تھیوسانگ نے اسے سلام کیا اور اسی کی زبان میں کہا: "بہن! ہم مسافر ہیں۔ ہمارا جہاز ڈوب گیا تھا۔ میں اور میری بہن پالی جان بچا کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ مجھے اپنی بہن کے لیے کپڑے چاہئیں۔" لڑکی فوراً اندر چلی گئی۔ دوبارہ باہر نکلی تو اس کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ تھیوسانگ نے کہا:

"میں ڈاکو نہیں ہوں بھائی۔ میں مسافر ہوں چل کر دیکھ لو۔ میری بہن پالی تھوڑی دور ایک کھیت میں بیٹھی ہے۔ اسے کپڑوں کی ضرورت ہے۔" نوجوان نے لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا:

"جا کر مسافر کی بہن کو کپڑے پہنا کر لے آؤ۔" پھر اس نے تھیوسانگ کو اندر بلا لیا۔ تھیوسانگ کو گرم دودھ پیش کیا اور بولا:

"یہ میری بیوی ہے۔ ہم دونوں اس مکان میں رہتے ہیں۔ میں کھیتوں میں کام کرتا ہوں۔" تھوڑی دیر ہی میں لڑکی پالی کوئے کپڑے پہنا کر مکان

میں سے آئی۔ یہاں انہیں پتہ چلا کہ وہ برازیل ہی میں ہیں اور ڈی جینرو یہاں سے دو سو میل کے فاصلے پر شمال کی طرف واقع ہے۔ پالی کو بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اپنے وطن پہنچ گئی ہے۔ رات انہوں نے وہاں آرام کیا۔ دوسرے روز ان کے بیسے درختوں کا انتظام کر دیا گیا۔ لڑکی کے خاوند نے کہا:

"یہاں سے دس میل دور شمال میں ہی ایک گاؤں آنے لگا۔ وہاں کی سرائے کا مالک میرا چچا گامور ہے۔ اس کو جا کر میرا سلام کہنا۔ یہ دونوں پتھر اسے دے دینا۔ وہ تمہارے ڈی جینرو شہر پہنچنے کا سارا انتظام کر دے گا۔"

تھیوسانگ اور پالی نے اس نوجوان کا شکریہ ادا کیا اور پتھروں پر بیٹھ کر دوسرے گاؤں کی طرف چل پڑے۔ دس کوئی باتیں کرتے کرتے گزر گئے۔ یہ گاؤں کافی بڑا تھا پوچھتے پوچھتے وہ سرائے کے مالک گامور کے پاس پہنچ گئے تھیوسانگ نے گامور کو نوجوان کا سلام پہنچایا اور پھر اس کے حوالے کر کے کہا کہ ہم ڈی جینرو جانا چاہتے ہیں۔

گامور نے کہا:

"نکر نہ کرو۔ آج رات یہاں سے ایک قافلہ ڈی جینرو روانہ ہو گا۔ میں تمہیں اس قافلے کے ساتھ کر دوں گا۔"

ہو اور کس سے ملنے آئے ہو۔ پالی نے تھیوسانگ کو اپنے بچپا کا نام بتا دیا تھا جو پیڈر دونا تھا۔
تھیوسانگ نے کہا:

آقا پیڈر دونا کی سوبلی یہی ہے نا؟
ہاں ہاں یہی ہے۔ مگر تم کون ہو؟ بوڑھے نے پوچھا،
تھیوسانگ نے کہا:

میرا نام تھیوسانگ ہے۔ میں ملک جادا کا رہنے والا
ہوں آقا پیڈر دونا سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے لیے
ایک خاص پیغام لایا ہوں۔

بوڑھے ملازم نے اندر جا کر پیڈر دونا سے کہا تو وہ خود
باہر آ گیا۔ اس نے تھیوسانگ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور
پوچھا: کیا پیغام لاتے ہو تم میرے لئے؟
تھیوسانگ نے کہا:

آقا! پیغام خفیہ ہے۔ تنہائی میں بتانا چاہتا ہوں۔
پیڈر دونا شکل ہی سے تھیوسانگ کو کوئی بد معاش لگ رہا
تھا۔ اس نے اشارے سے تھیوسانگ کو اپنے پیچھے آنے کو
کہا۔ سوبلی اندر سے بڑی شاندار تھی۔ درمیان میں ایک
بانیچہ تھا جس میں فوارہ چل رہا تھا۔ پیڈر دونا نے بانیچے پر
اکر پوچھا:

اب بتاؤ تم کس کا پیغام لاتے ہو؟

تھیوسانگ نے اس کا ٹھکریہ ادا کیا اور سرانے میں
پال کو لے کر ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔ سارا دن انہوں
نے وہیں گزارا۔ شام کو ایک قافلہ تیار ہو گیا۔ اس قافلے
میں تیز رفتار گھوڑا گاڑیاں شامل تھیں۔ اس قافلے نے دوسرے
دن دپہر کے وقت تھیوسانگ اور پالی کو ڈی جیزو پہنچا
دیا۔ یہ پالی کا شہر تھا۔ سرانے شہر سے باہر تھی۔

پالی نے کہا:
میں اس طرح اپنی سوبلی میں گئی تو میرا چچا مجھے
زندہ نہیں چھوڑنے گا۔

تھیوسانگ بولا: تم مجھے اپنے گھر کا پتہ دو۔ میں
وہاں جا کر تمہارے لیے میدان صاف کرتا ہوں:

تھیوسانگ نے پالی سے اس کے گھر کا پتہ لیا۔ اسے
سرانے کی کوٹھڑی ہی میں رکنے کے لئے کہا اور خود پالی
کی جاگیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ پالی کا مکان اس کی آبائی جاگیر
میں شہر سے باہر مغرب کی طرف پہاڑی کے دامن میں واقع
تھا۔ تھیوسانگ کا لباس بھی برازیل کے لوگوں کی طرح کا
تھا۔ یہ لباس اس نے گامور کی سرانے سے ہی حاصل کر
تھا۔ وہ پالی کی جاگیر والی سوبلی کے دروازے کے باہر
جا کر رک گیا۔ یہاں ایک بوڑھا ملازم گھنوں میں پانی دے
رہا تھا۔ اس نے تھیوسانگ کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ تم کون

تھیوسانگ نے کہا:

آقا! میں ملک جادا کا باشندہ ہوں۔ سیاحت کی غرض سے جہاز میں سفر کرتا اس ملک کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں ہمیں سمندر میں ایک کشتی دکھائی دی۔ اس کشتی میں ایک عورت اور ایک مرد غم بیہوش کی حالت میں پڑے تھے۔ ہم نے انہیں جہاز پر اٹھا لیا۔ آدمی مر گیا تھا۔ لڑکی ابھی زندہ تھی۔ لڑکی نے کہا کہ میرا نام پالی ہے۔ میں ڈبی جینزو کی جاگیر پیڈرونا کی رہنے والی ہوں۔ میں مر رہی ہوں۔ میرا پیغام میرے بچے پیڈرونا تک جا کر پہنچا دیا جائے کہ میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ اتنا کہہ کر وہ لڑکی جس نے اپنا نام پالی بتایا تھا مر گئی۔ ہم نے ان دونوں کی لاشیں سمندر میں پھینک دیں۔ اب میں ڈبی جینزو کی بندرگاہ پر اترتے ہی سیدھا آپ کے پاس پالی کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔

تھیوسانگ نے دیکھا کہ پالی اور اس کے خاوند کی موت کی سن کر پیڈرونا کے چہرے پر ایک گہرا اطمینان چھا گیا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور مسکرا کر تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور اس کے کانہ سے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”تمہارا نام کیا ہے دوست؟“

تھیوسانگ میرا نام ہے آقا۔ تھیوسانگ نے اسے کہا: پیڈرونا بولا: ”میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے پالی کا آخری پیغام پہنچایا۔ پالی میری ملازم تھی میں نے اسے اور اس کے خاوند کو خیانت کرنے کے جرم میں نوکری سے نکال دیا تھا۔ میں نہیں جانتا وہ دونوں کشتی میں بیٹھ کر سمندر کی طرف کیوں نکل گئے۔ بہر حال اس نے مجھے معاف کر دیا۔ مجھے خوشی ہوئی۔ لیکن ان میاں بیوی کی موت کا افسوس ہے۔ تم میرے مہمان ہو۔ جب تک جی چاہے یہاں رہ کر اس شہر کی سیر کرو۔“

تھیوسانگ نے کہا:

آپ کا شکریہ آقا۔

تھیوسانگ کی بڑی خدمت کی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ شہر کی سیر کرنے کا بہانہ بنا کر حویلی سے نکل کر سیدھا سرائے میں پالی کے پاس آ گیا اور اسے ساری بات سنادی۔ پالی نے کہا:

”تمہارا منصوبہ کیا ہے تھیوسانگ؟ تم میری جاگیر کیسے اس ظالم سے واپس دلاؤ گے؟“

تھیوسانگ نے کہا:

میں نے وہاں نوکروں سے باتیں کر کے محسوس کیا ہے
کہ نوکر ابھی تک تمہیں یاد کرتے ہیں اور وہ تمہارے
وفادار ہیں۔ انہیں احساس ہے کہ تمہارے چچا پیڑونا
نے زبردستی تمہاری حویلی پر قبضہ کر رکھا ہے۔

پال بولی :

تو پھر اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟
تھیوسانگ نے کہا :

میں آج رات ہونے سے پہلے پہلے تمہارے بد معاش
چچا پیڑونا کو کسی ایسے اندھے کنوئیں میں پھینک
دوں گا جہاں وہ اپنے آپ لگے جہاں پہنچ جائیگا
پھر تم اپنی حویلی میں آزادی سے رہنا۔

تھیوسانگ کا خیال تھا کہ حویلی سے وہ اکیلا ہی سہرائے
تک آیا ہے لیکن بد معاش پیڑونا ایک عیار شخص تھا۔ اس
نے تھیوسانگ کے پیچھے اپنا ایک جاسوس لگا دیا تھا۔
جاسوس تھیوسانگ سے پہلے ہی حویلی میں پہنچ گیا اور اس
نے جاتے ہی پیڑونا کو بتایا کہ پالی زندہ ہے اور سہرائے میں
موجود ہے اور تھیوسانگ اس سے مل کر آ رہا ہے۔ اب
پیڑونا وہ ساری سڈش سمجھ گیا جو اس کے خلاف کی جا رہی
تھی۔ اس نے فوراً دو آدمیوں کو حکم دیا کہ سہرائے سے پالی کو

گرفتار کر کے حویلی کے ہنڈ خانے میں پھینک دیا جائے۔ دو
غلام سہرائے کی طرف بھاگے۔ پیڑونا خود تھیوسانگ کا انتظار
کرتے لگا۔ جب تھیوسانگ واپس حویلی میں آیا تو پیڑونا نے
مسکرا کر کہا :

”میرے دوست! سیر کر لی تمہارے شہر کی؟
تھیوسانگ بولا : ہاں میرے اُتنا! بڑا خوبصورت شہر ہے۔
پیڑونا نے کہا :

”تم جلدی واپس آ گئے ہو۔ کیا بات تھی؟
تھیوسانگ نے جلدی سے کہا :

”میں تھکا ہوا تھا۔ جلدی تھک گیا۔ سوچا کچھ دیر
آرام کرنے کے بعد پھر سیر کو نکلوں گا۔“

پیڑونا نے تھیوسانگ کے کاڈھے پر ہاتھ رکھ کر کہا :
”اچھا کیا۔ تمہارے لیے آرام بہت ضروری ہے میرے
خاص کمرے میں پینگ بچھا ہوا ہے تم وہاں
آرام کرو۔ میں تمہارے لیے رات کے کھانے کا
انتظام کرتا ہوں۔“

تھیوسانگ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس بد معاش
پیڑونا کو اصل صورت حال کا علم ہو چکا ہے۔ وہ پیڑونا
کے ساتھ اس کے خاص کمرے میں آ گیا۔ سال ایک تھوڑی

پھوٹ گیا تھا۔ ضرور کسی نے اس کو پال سے باتیں کرتے
 دیکھ لیا تھا۔ یہ معاش پیڈرونا کی باتوں سے اسے کم از کم
 اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ پالی بھی اسی حویلی میں کسی جگہ
 قید ہے۔ اب اسے صرف یہی فکر تھی کہ کہیں یہ ظالم شخص
 پالی کو موت کے گھاٹ اتارنے میں جلدی نہ کرے تھیو ساگ
 کو پالی کی فکر لگ گئی۔ اپنی اسے کوئی پروا نہیں تھی تھیو ساگ
 نے جلدی ایکشن شروع کرنے کا پروگرام بنایا۔ انتظار کرنے
 سے پالی کی موت واقع ہو سکتی تھی۔ مگر وہ وہاں اکیلا تھا۔
 کوئی نوکر بھی نہیں تھا کہ جس سے وہ پالی کے بارے میں
 پوچھ سکتا کہ وہ کس جگہ قید میں رکھی گئی ہے۔ آخر تھیو ساگ
 کو دروازہ ہی نظر آیا جس پر وہ حملہ کر سکتا تھا۔ وہ دروازے
 کے پاس ہی کھڑا تھا۔ جب اس نے غسوس کیا کہ پیڈرونا
 وہاں سے جا چکا ہے تو اس نے اپنی خاص انگلی دروازے
 کے ایک پیٹ سے لگا دی۔ چونکہ تھیو ساگ نے خاص نیت
 کر کے اور دل میں خیال جما کر انگلی لگائی تھی اس لیے
 فوراً اثر ہوا اور دروازے کا ایک پیٹ تو بڑا ہی ربا مگر
 دوسرا پیٹ چھوٹا ہو کر بالکل اسکول کی تختی کے برابر ہو گیا۔
 اس کے لیے راستہ کھل گیا تھا۔ تھیو ساگ فوراً کمرے سے
 نکل آیا۔ اس نے دوبارہ انگلی لگا کر دروازے کو بڑا کر دیا۔
 ابھی وہ دروازے سے چند قدموں کے فاصلے پر ہی گیا تھا

پلنگ پر ریشی بچھونا بچھا ہوا تھا۔

پیڈرونا نے کہا:

تم اس پلنگ پر آرام کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد
 آ جاؤں گا۔

اتنا کہہ کر پیڈرونا باہر نکل گیا۔ باہر جاتے ہی اس نے
 کڑی کا بھاری دروازہ بند کر کے بھاری تالا لگا دیا۔ تالا
 لگانے کی آواز سن کر تھیو ساگ کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ جلدی
 سے اٹھا اور دروازے کو باہر کو تھوڑا سا دھکیلا۔ دوسری طرف
 سے پیڈرونا کی غضب ناک آواز آئی:

تم نے میرے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر تم نہیں جانتے تھے کہ میرے ماتھے بہت لمبے ہیں

اور میں تمہارے پیٹ کے اندر کا راز باہر نکال سکتا

ہوں جس غسوس پالی کو تم اس حویلی میں لانا اور

مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے اب وہ بھی تمہاری

طرف اسی حویلی میں قید موت کا انتظار کر رہی

ہے جس کمرے میں تم قید ہو اس کی دیواروں میں

سیر بھرا ہوا ہے اور دشمنان میں لوہے کی

سلاخیں ہیں۔ تم کہیں یہاں سے باہر نہیں نکل سکو گے۔

تھیو ساگ خاموشی سے یہ سب کچھ سنتا رہا۔ اس کا ہانڈا

۱۳۱
اندھیرا گھپ تھا۔ تھیوسانگ کو تہ خانے کے دروازے پر بڑا
سا لوہے کا تالا پڑا نظر آیا۔ اس نے تالے کو بڑی آسانی
سے توڑ ڈالا۔ اندر بھی اندھیرا تھا۔ پالی کی خوف زدہ
آواز آئی:-

”مجھے نہ مارو۔ مجھے نہ مارو۔ یہ ساری جاگیر لے لو۔
تھیوسانگ نے قریب جا کر اسے تسلی دینی اور کہا:
”میں تھیوسانگ ہوں پالی۔ میرے ساتھ باہر نکل آؤ۔
پالی تو تھیوسانگ سے پیٹ گئی۔
”میرے بھائی! تم رحمت کا فرشتہ بن کر آگئے۔
مجھے ظالم چچا کے غلاموں نے تمہارے جانے کے
بعد سرائے سے اغوا کر لیا تھا۔
تھیوسانگ نے کہا:

”مجھے سب معلوم ہے۔ تمہارے چچا نے مجھے بھی
قید میں ڈال دیا تھا مگر میں نکل آیا ہوں۔ اب یہ بتاؤ
کہ اس حویلی میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تمہیں
بچھا دیا جائے۔ جب تک میں تمہارے ظالم
چچا کو ٹھکانے نہیں لگا لیتا تمہیں اسی جگہ رہنا ہوگا۔
تھیوسانگ نے پالی کو ساتھ لیا اور دیں سے اندھیری
سیڑھیاں چڑھ کر حویلی کی چھت پر آ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا
سا بزمبارہ تھا جس کے اندر کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ پالی کو

کہ اسے ایک غلام آتا نظر آیا۔ تھیوسانگ ایک طرف ہو
گیا۔ جو وہی غلام اس کے قریب سے گزرا تو تھیوسانگ نے
اس کے کانٹے پر اپنی انھلی ٹکا دی۔ غلام جو تھوڑی سیلے اتنا
بٹا کٹا اور اونچا لمبا تھا بالکل انسانی لگوٹھے جتنا ہو کر فرش
پر حیران پریشان ہو کر پکڑ کھانے لگا۔

تھیوسانگ نے اسے چھوٹے ٹوٹ کی طرح اٹھا کر اپنی بھیلی
پر رکھ لیا اور اس کے قریب منہ لے جا کر پوچھا:
”اگر پھر ہے بٹے کٹے انسان بننا چاہتے ہو تو مجھے
اتنا بتا دو کہ اس گھر کی اصلی مالک پالی کس کمرے
میں قید ہے؟“

غلام نے آتھ جوڑ دیئے اور باریک آواز میں بولا:
”وہ نیچے تہ نہانے میں قید ہے۔ مجھے بڑا کمرے
مجھے بڑا کمرے میں مرجاؤں گا۔“

تھیوسانگ نے اس سے تہ خانے کو جانے والا راستہ
پوچھا اور اسے فرش پر چھوڑ دیا۔ ابھی وہ اسے بڑا نہیں
کنا چاہتا تھا۔ غلام ایک طرف کو دوڑا۔ تھیوسانگ نے
نے یہ سوچ کر اسے دوبارہ دلہن لیا کہ کہیں یہ جا کر حویلی میں
پینڈونا کو خبر نہ کر دے۔ تھیوسانگ نے اسے جب میں
رکھ لیا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا، ایک جگہ
سے اندھیری سیڑھیاں اتر کر تہ خانے کے پاس آ گیا۔ یہاں

میں نے اسے زنجیروں سے باندھ کر ایک گہری
گھاٹی میں پھینک دیا ہے۔ آدھ میرے ساتھ تمہارے
دفا دار ملازم تمہیں دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے۔
پالی خوش خوش تھیوسانگ کے ساتھ چہارے سے نیچے
اتر آئی۔ باغیچے میں آتے ہی اس نے تمام غلاموں اور کنیروں
کو آوازیں دیں۔ سب وہاں جمع ہو گئے اور پالی کو دیکھ کر
خوشی سے ناخ اٹھے۔ بوڑھے مالی نے تو پالی کے سر پر
ہاتھ رکھ کر اس کا ماتھا چوم لیا اور کہا:

بیٹی ہم تو تمہاری صورت دیکھنے کو ترس گئے
تھے۔ تمہارے ظالم پیچا نے ہمیں بھی اپنے ظلم کے
ہتکے میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ اب کہاں ہے؟
تھیوسانگ نے کہا:

ظالم اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ اب وہ کبھی
اس حویلی میں نہیں آئے گا۔ تم سب آزاد ہو۔

حویلی پر پالی نے پھر سے قبضہ کر لیا اور اس نے کئی
غلاموں کو آزاد کر دیا۔ مگر غلام اسے چھوڑ کر جانے پر تیار
نہ ہوئے۔ وہ پالی کی خدمت ہی میں رہنا چاہتے تھے۔
پالی نے تھیوسانگ سے کہا کہ وہ اسی کے ساتھ حویلی میں
رہے۔ تھیوسانگ بولا:

مجھے اپنی ایک اور بہن اور بھائی کو تلاش کرنا

اس چہارے میں بند کرنے کے بعد تھیوسانگ باہر چھت پر
آ گیا۔ اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ پیڑرو باغیچے میں تیز
تیز قدموں سے سامنے والے برآمدے کی کوٹھڑی کی طرف جا
رہا تھا۔ جب وہ کوٹھڑی میں چلا گیا تو تھیوسانگ بھی باغیچے
میں آ گیا۔ اس نے چھوٹے سے غلام کو جیب سے نکال کر
ایک جگہ باغ کے گوشے میں ڈال دیا اور خود پیڑرونا
کوٹھڑی میں چلا گیا۔ اصر کو بڑھا۔ وہ بند دروازے کو توڑ
کر اندر گھس گیا۔ پیڑرونا ایک صندوق کو کھولے اس پر
جھکا اس میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ دروازے کو دھڑاک
سے کھلتے دیکھ کر وہ پیچھے کو گھوما ہی تھا کہ تھیوسانگ
نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ دونوں قالین پر گر پڑے۔
جب تھیوسانگ اٹھا تو بد معاش پیڑرونا ننھا سا آدمی بن
چکا تھا۔ تھیوسانگ نے اسے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈالا
اور سیدھا چہارے میں آ کر پالی سے کہا:

پالی! جن کا حق تھا اس کو مل گیا۔ اب یہ حویلی

تمہاری ہے۔

پال نے تعجب سے پوچھا:

میرے ظالم چچا کا کیا ہوا؟

تھیوسانگ پالی کو اپنی خفیہ طاقت نہیں بتانا چاہتا تھا

اس نے کہا:

اس کی آواز سنیں نکل رہی تھی۔
تھیوسانگ نے کہا:

گھبراؤ نہیں پالی! مجھے ایک خاص منتر آتا ہے
جس کو بھونک کر میں نے تمہارے چچا کو اتنا چھٹا
کر دیا ہے۔ میں اسے آدھی رات کو سمندر میں
پھینک آؤں گا کیوں کہ یہ تمہارے خاوند کا
قاتل ہے۔

پالی نے خوف زدہ آواز میں کہا:
تھیوسانگ! میں نے آج تک کسی انسان کو اس
حالت میں نہیں دیکھا۔

تھیوسانگ بولا: یہ ظلم ہے پالی اور کچھ نہیں
منتر کا اثر ہے اس ظالم پر قابو پانے کے لیے
مجھے یہ منتر پھونکنا پڑا۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ نے پیڑونا کو واپس اپنی جیب میں
رکھ لیا۔ دوسری جیب میں وہ سیاہ موتی اسی طرح پڑا تھا
جس میں سے تھیوسانگ کو ناگ کی ہلکی خوشبو برابر
آ رہی تھی۔ اس نے یہ موتی پالی کو دکھانے کی ضرورت
محسوس نہ کی تھی۔ لیکن بتانے کیوں اس نے اب جیب
سے موتی نکالا اور پالی کی طرف بڑھا کر بولا:
"پالی بہن! اس موتی سے مجھے اپنے بچے

ہے جو مجھ سے بچ رہے ہیں۔

پالی نے حیران ہو کر پوچھا:
تم نے پہلے تو مجھے اپنے بھائی اور بہن کے بارے
میں نہیں بتایا۔
تھیوسانگ نے کہا:

"اس کی ضرورت سنیں پڑی تھی۔ اب میں تمہارے
پاس آج کی رات رہوں گا اور کل یہاں سے
اپنی بہن ماریا اور بھائی عنبر ناگ کی تلاش میں
نکل کھڑا ہوں گا۔

پالی نے تھیوسانگ کے لیے خود پھیل پکائی شام کو وہ
کھانے پر بیٹھے تو تھیوسانگ پالی کے بالکل سامنے بیٹھا تھا
اپناک پالی کو اپنے چچا پیڑونا کی باریک آواز سنائی دی۔
اس نے گہرا کر کہا:

یہ ظالم چچا کی آواز ہے۔ وہ یہاں پر کہیں موجود ہے۔
تھیوسانگ نے مسکرا کر کہا:

گھبراؤ نہیں پالی۔ تمہارا ظالم چچا میری جیب میں ہے۔
اور اس کے ساتھ ہی تھیوسانگ نے پیڑونا کو جیب
سے نکال کر میز پر رکھ دیا۔ پالی نے جو اپنے چچا کو
چھوٹے سے انگوٹھے کے سائز میں دیکھا تو حیرت سے
اس کی آنکھیں کھل کھل رہ گئیں۔ خوف کے مارے

بھائی کی خوشبو آتی ہے۔ دعا کرو کہ مجھے میرا
بھائی مل جائے۔

پالی نے سیاہ موتی کو دیکھا تو حیران ہو کر بولی :
"مختیوسانگ ! یہ موتی تو مایا دیوی کا ہے۔"
"مایا دیوی؟ وہ کون ہے؟" مختیوسانگ نے پوچھا۔
پالی کہنے لگی :

برازیل میرے وطن کے وسط میں ایک بہت
بڑی تہذیب کبھی اپنے عروج پر تھی اس کا نام
مایا تہذیب تھا۔ اب اس کے کھنڈر ہی باقی رہ
گئے ہیں۔ وہاں ایک عجیب و غریب خلائی اڈہ
بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہاں کبھی خلا کے لوگ
اپنے خلائی جہازوں میں اترتے تھے۔ انہی
کھنڈروں میں مایا دیوی کا ایک قدیم مندر ہے جس
کے گلے میں اسی قسم کے سیاہ موتیوں کی مالا
پڑی رہتی ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے
اس دیوی کے گلے میں ایسے سیاہ موتیوں کی
مالا دیکھی ہے۔

اب مختیوسانگ حیرانی سے پالی کا منہ تک رہا تھا۔

آگے کیا ہوا۔ جاننے کے لیے قسط نمبر ۱۳۶ "باپ کی خوشبو" پڑھیے۔



مختصر تاریخ پاکستان



پاکستان کی تاریخ

